جلد دوم

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

عین الہدایہ

مترجمہ

علامہ مولانا سید امیر علی مرحوم اعلی اللہ مقامہ

مترجم

فتاویٰ عالمگیری - تفسیر مواہب الرحمٰن

قانونی کتب خانہ ○ کچہری روڈ ○ لاہور

اس تخفیف مین اپنے آزاد کرنے والے کے ساتھ لاحق نہوگا اسی واسطے سلطان کے آزاد کیے ہوے پر جبکہ وہ مثلاً نصرانی ہو جزیہ باندھا جاتا ہی بخلاف صدقہ حرام ہونے کے کیونکہ حرمتون کا ثبوت شبہات سے ہوجاتا ہی تو حرمت کے باب مین ہاشمی کے ساتھ اُسکے آزاد کیے ہوئے غلام کو ملا دیا گیا (اگر کہا جاوے کہ تونگر کے آزاد کیے ہوئے پر بھی صدقہ حرام ہوگا کیونکہ شبہہ موجود ہی تو جواب دیا کہ) تونگر کے مولی سے الزام نہین ہوسکتا کیونکہ تونگر پر صدقہ حرام نہین ہی اسواسطے کہ تونگر آدمی کو صدقہ لینے کی لیاقت ہی اگرچہ بالفعل تونگری اُسکو حاصل ہی اور تونگر کے آزاد کیے ہوئے مین تونگری موجود نہین ہی اور ہاشمی مین صدقہ لینے کی لیاقت ہی نہین ہی اگرچہ فقیر ہو کیونکہ وہ اپنی شرافت و کرامت کی وجہ سے لوگون کے میل کچیل سے محفوظ کیا گیا ہی تو اُسکا آزاد کیا ہوا غلام بھی اُسکے ساتھ ملا دیا گیا - قال وما جباہ الامام من الخراج ومن عشور تغلب وما اہداہ اہل الحرب الی الامام والجزیۃ یصرف فی مصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطر والجسور ویعطی قضاۃ المسلمین وعمالہم وعلمائہم منہ ما یکفیہم ویدفع منہ ارزاق المقاتلۃ وذراریہم لانہ مال بیت المال فانہ وصل الی المسلمین من غیر قتال وہو معد لمصالح المسلمین وہولاء عملتہم ونفقۃ الذراری علی الاباء فلو لم یعطوا کفایتہم لاحتاجوا الی الاکتساب ولا یفرغون للقتال - امام نے جو کچھ کہ خراج و اموال بنی تغلب اور ہدیۂ اہل حرب سے اور جزیہ سے جمع کیا ہی اُسکو مسلمانون کی مصلحت مین صرف کرے جیسے دارالاسلام کی سرحدات کو لشکرون سے مضبوط کرے اور دریاؤن و نہرون کے پل بنادے اور مسلمانون کے قاضیون و عاملون و علما کو اُنکی کفایت کے لائق دیوے اور جہاد کرنے والی فوجون اور انکے اہل و عیال کا رزق دیوے اسواسطے کہ یہ سب بیت المال کا مال ہی کیونکہ وہ مسلمانون کو بغیر قتال حاصل ہوا ہی اور بیت المال اسواسطے مہیا ہوتا ہی کہ مسلمانون کی مصلحتون مین کام آوے اور یہ لوگ جنکا ذکر ہوا سب مسلمانون ہی کے واسطے کام کرتے ہین اور آل و اولاد کا نفقہ اُنکے باپ پر واجب ہوتا ہی پس اگر ان لوگون کو بیت المال سے بقدر کفایت نہ دیا جائے تو اُنکو کمائی کی ضرورت ہوگی اور قتال و جہاد کے واسطے فارغ نہونگے ف — اور مصنف کی روایت تجنیس سے طالب علم بھی داخل ہین - مف - ومن مات فی نصف السنۃ فلا شئی لہ من العطاء لانہ نوع صلۃ - ولیس بدین ولہذا یسمی عطاء فلا یملک قبل القبض ویسقط بالموت واہل العطاء فی زماننا مثل القاضی والمدرس والمفتی والمتدا علم - اور قاضی و علما وغیرہ مین سے جو شخص نصف سال مین (یا آخر سال مین ع -) مرگیا تو عطاء مین سے اُسکے واسطے کچھ نہوگا کیونکہ یہ ایک طرح کا صلہ ہی اور فرض نہین ہی اسی واسطے اسکو عطاء کہتے ہین تو قبضہ سے پہلے ملک مین نہین آتا ہی اور موت سے ساقط ہوجاتا ہی اور ہمارے زمانہ مین اہل عطاء قاضی و مفتی و مدرس ہی واللہ تعالے اعلم ف — اور زمانہ سابق مین جس شخص کو اسلام مین کسی طرح کی فوقیت تھی وہ اہل عطاء مین سے شمار ہوتا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بھی بیت المال سے ملتا تھا ع - اصلی کافرون کے احکام شروع کیے چنانچہ فرمایا -

باب احکام المرتدین

یہ باب مرتدون کے احکام مین ہی - قال واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعیاذ باللہ عرض علیہ الاسلام فان کانت لہ شبہۃ کشف عنہ لانہ عساہ اعترتہ شبہۃ فتزاح وفیہ دفع شرہ باحسن الامرین الا ان العرض علی ما قالوا غیر واجب لان الدعوۃ بلغتہ - اور جب کوئی مسلمان اسلام سے پھر گیا تو اُسپر اسلام پیش کیا جائیگا پھر اگر اُسکو کوئی شبہہ پیدا ہوگیا ہی تو وہ حل کردیا جاوے کیونکہ شاید اُسکو کوئی شبہہ ایسا پیدا ہوگیا ہو

Marfat.com

تو وہ زائل کر دیا جائے اور اسکی بدی دور کرنے کے دو طریقون مین سے یہ اچھا طریقہ ہی یعنے قتل سے بہتر ہی لیکن اسلام پیش کرنا بنا بر قول مشائخ کے واجب نہین ہی کیونکہ دعوۃ اسلام اسکو پہونچ چکی ہی۔ قال ویحبس ثلثۃ ایام فان اسلم والا قتل وفی الجامع الصغیر المرتد یعرض علیہ الاسلام حرا کان او عبدا فان ابی قتل و تاویل الاول انہ یستمہل فیمہل ثلثۃ ایام لانہا مدۃ ضربت لایلاء الاعذر وعن ابی حنیفۃ رح وابی یوسف رح انہ یستحب ان یؤجلہ ثلثۃ ایام طلب ذلک اولم یطلب وعن الشافعی رح ان علی الامام ان یؤجلہ ثلثۃ ایام ولا یحل لہ ان یقتلہ قبل ذلک لان ارتداد المسلم یکون عن شبہۃ ظاہرا فلا بد من مدۃ یمکنہ التامل فقدرناہ بالثلث ولنا قولہ تعالے فاقتلوا المشرکین من غیر تقیید الا مہال وکذا قولہ علیہ السلام من بدل دینہ فاقتلوہ ولانہ کافر حربی بلغتہ الدعوۃ فیقتل للحال من غیر استمہال وہذا لانہ لا یجوز تاخیر الواجب لامر موہوم ولا فرق بین الحر والعبد لاطلاق الدلائل وکیفیۃ توبتہ ان یتبرا عن الادیان کلہا سوی الاسلام لانہ لا دین لہ ولو تبرا عما اعتقل الیہ کفاہ لحصول المقصود۔ اور مرتد تین روز تک قید کیا جائے پھر اگر مسلمان ہوگیا تو بہتر ورنہ قتل کیا جائے اور جامع صغیر مین مذکور ہی کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے خواہ آزاد ہو یا غلام ہو پھر اگر انکار کرے تو قتل کیا جائے اور قول اول کی تاویل یہ ہی کہ اگر مرتد نے مہلت مانگی تو تین روز مہلت دیجائیگی کیونکہ اسی قدر مدت تمام عذرون کے دور کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہی اور امام ابوحنیفہ و ابو یوسف سے روایت ہی کہ اسکو تین دن مہلت دینا مستحب ہی خواہ مانگے یا نہ مانگے اور امام شافعی سے روایت ہی کہ امام پر واجب ہی کہ اسکو تین دن مہلت دے اور اس سے پہلے قتل کرنا حلال نہین ہی کیونکہ مسلمان کا مرتد ہوجانا بظاہر کسی شبہہ سے ہوتا ہی تو اتنی مہلت ضرور ہی جسمین غور کرسکے اور اسکی مقدار ہمنے تین روز مقرر کی (اور یہی ظاہر قول عمر رضی اللہ عنہ ہی۔ کما رواہ مالک والبیہقی۔) اور ہماری دلیل قول الٰہی عزوجل ہی۔ فاقتلوا المشرکین یعنے مشرکون کو قتل کردو حالانکہ اسمین مہلت دینے کی قید نہین ہی اور اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ جو شخص اپنا دین بدلے اسکو قتل کردو۔ رواہ البخاری وغیرہ۔ اور اس دلیل سے کہ یہ شخص حربی کافر ہوگیا جسکو دعوت اسلام پہونچ چکی ہی تو بغیر مہلت دیے فی الحال قتل کیا جائیگا کیونکہ قتل کرنا واجب ہوا اور اسکا مسلمان ہوجانا امر موہوم ہی تو امر موہوم کی وجہ سے واجب مین تاخیر دینا جائز نہین ہی (اور یہی صحیح مذہب شافعی ہی۔ مت۔) اور غلام و آزاد مین کچھ فرق نہین کیونکہ جن دلائل سے یہ حکم نکلا وہ مطلق یعنے دونون کو شامل ہی اور مرتد کے توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہی کہ اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمدا رسول اللہ کے بعد تمام دینون سے سوائے دین اسلام کے انکاری و بیزاری ظاہر کرے کیونکہ اسکا کوئی دین نہین ہی اور اگر دین اسلام چھوڑکر جس دین کی طرف وہ منتقل ہوا تھا اس سے بیزاری ظاہر کی تو کافی ہی کیونکہ مقصود حاصل ہوگیا۔ قال فان قتلہ قاتل قبل عرض الاسلام علیہ کرہ ولا شئ علی القاتل ومعنی الکراہیۃ ہہنا ترک المستحب وانتفاء الضمان لان اللفر بیح للقتل والعرض بعد بلوغ الدعوۃ غیر واجب۔ اور اگر اسپر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے اسکو قتل کردیا تو مکروہ ہی اور قاتل پر قصاص یا دیت کچھ نہین ہی اور یہان کراہیت کے معنی یہ ہین کہ مستحب ترک کیا اور ضمان اسواسطے نہین ہی کہ اسکا کفر اسکے قتل کو مباح کرنے والا ہی اور اسلام پیش کرنا دعوت اسلام پہونچ جانے کے بعد واجب نہین ہی۔ واما المرتدۃ فلا تقتل وقال الشافعی رح تقتل لما روینا ولان ردۃ الرجل بمنزلۃ القتل من حیث انہ جنایۃ مغلظۃ فتناط بہا عقوبۃ مغلظۃ وردۃ المرأۃ تشارکہا فیہا فتشارکہا فی موجبہا ولنا ان النبی علیہ السلام نہی عن قتل النساء ولان الاصل تاخیر الاجزیۃ الی دار الاخرۃ اذ تعجیلہا نکل لمعنی

الا بتلاء وانما عدل عنه دفعا لشرنا جزه وهو الحراب ولا يتوجه ذلك من النساء لعدم صلاحية البنية بخلاف الرجال فصارت المرتدة كالاصلية قال ولكن تحبس حتى تسلم لانها امتنعت عن ايفاء حق الله تعالے بعد الاقرار فتجبر على ايفائه بالحبس كما في حقوق العباد وفي الجامع الصغير وتجبر المراة على الاسلام حرة كانت او امة والامة يجبر مولاها اما الجبر فلما ذكرنا ومن المولے لما فيه من الجمع بين الحقين ويروى تضرب في كل ايام مبالغة في الحمل على الاسلام - اور یہی عورت مرتدہ تو وہ قتل نہین کیجائیگی اور شافعی نے فرمایا کہ قتل کیجائے بدلیل اُس حدیث کے جو ہم روایت کر چکے یعنی جو کوئی اپنا دین بدلے اُسکو قتل کرو اور اس دلیل سے کہ مرد کا مرتد ہونا اُسکا خون اسوجہ سے مباح کرتا ہی کہ مرتد ہونا ایک جرم سخت ہی پس اُسکی عقوبت سخت یعنی قتل کرنا اسکے ساتھ لازم ہی اور عورت بھی مرتد ہونے مین اس جرم سخت مین شریک ہی تو اسکی سزا مین بھی شریک ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتون کے قتل سے منع فرمایا - کافی الصحاح اور اس دلیل سے کہ سزاؤن کے حق مین اصل یہ ہی کہ اُنکی تاخیر دار آخرت کے واسطے ہو کیونکہ فی الحال سزا ہونا معنی امتحان کو مخل ہی پھر اس اصل سے عدول اسواسطے ہوا کہ فی الحال کی شرارت دور ہو یعنی لڑائی دفع ہو مگر عورتون کی ذات سے لڑائی کی امید نہین ہی کیونکہ اُنکی خلقت مین جنگ کی صلاحیت نہین ہی بخلاف مردون کے پس مرتدہ کافرہ مانند اصلیہ کافرہ کے ہوگئی یعنی جیسے اصلیہ کافرہ مقتول نہین ہوتی ویسی ہی مرتدہ کافرہ بھی مقتول نہوگی ولیکن فرمایا کہ مرتدہ قید خانہ مین رکھی جائے یہانتک کہ مسلمان ہو جائے کیونکہ وہ حق الٰہی عزوجل کا اقرار کرکے اُسکو ادا کرنے سے انکار کرتی ہی تو قید کرکے اُسکے ادا کرنے پر مجبور کیجائیگی جیسے بندون کے حقوق مین ہوتا ہی اور جامع صغیر مین فرمایا کہ مرتدہ عورت اسلام لانے پر مجبور کیجائیگی خواہ آزاد ہو یا باندی ہو لیکن باندی کو اُسکا مولے مجبور کریگا پس جبر کی تو وہی وجہ ہی جو اوپر مذکور ہوئی کہ وہ ادائے حق الٰہی عزوجل سے انکار کرتی ہی اور باندی کا جبر مولی کی طرف سے اسواسطے رکھا گیا تاکہ مولے کا حق اور اللہ تعالے کا حق دونون مجتمع ہو جائین اور یہ بھی روایت آئی ہی کہ باندی کو ہر روز مارین تاکہ اسلام لانے پر پورے طور سے جبر ہو - قال ویزول ملک المرتد عن امواله بردته زوال الاصلي فان اسلم عادت الى حالها قالوا هذا عند ابي حنيفة رح وعندهما لا يزول ملكه لانه مكلف محتاج فالى ان يقتل يبقى ملكه كالمحكوم عليه بالرجم والقصاص وله انه حربي مقهور تحت ايدينا حتى يقتل ولا قتل الا بالحراب فهذا يوجب زوال ملكه والكينونة غير انه مدعو الى الاسلام بالاجبار عليه ويرجى عوده اليه فتوقفنا في امره فان اسلم جعل هذا العارض كان لم يكن في حق هذا الحكم وصار كان لم يزل مسلما ولم يعمل السبب وان مات او قتل على ردته او لحق بدار الحرب وحكم بلحاقه استقر كفره فيعمل السبب عمله وزوال ملكه - اور مرتد کی ملکیت اپنے مالون سے بوجہ مرتد ہونے کے زائل ہو جاتی ہی مگر یہ زوال ابھی موقوف ہوتا ہی یعنے اگر پھر مسلمان ہوگیا تو بدستور اُسکی ملک عود کرتی ہی اور مشائخ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہی اور صاحبین کے نزدیک اُسکی ملکیت زائل نہین ہوتی ہی کیونکہ وہ مکلف محتاج ہی تو قتل ہونے تک اُسکی ملکیت باقی رہتی ہی جیسے وہ شخص جسپر رجم یا قصاص کا حکم دیا گیا یعنے تاوقت قتل یا رجم کے اپنی ملک کا مالک رہتا ہی اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہی کہ مرتد ایک حربی کافر ہی جو ہمارے ہاتھ مین مقہور گرفتار ہی تاکہ قتل کیا جائے اور قتل بدون لڑائی کے نہین ہوتا ہی یعنے بالفعل وہ حربی ہی اسی واسطے اُسکا قتل جائز ہی پس یہ امر موجب ہی کہ اُسکی ملک و مالکیت زائل ہوگئی صرف اتنی بات ہی کہ مرتد پر جبر کرکے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہی اور امید ہی کہ وہ اسلام کی طرف عود کرے پس ہمنے اسکے معاملہ مین توقف کیا یعنی اُسوقت تک کہ ظاہر ہو جاوے کہ وہ اسلام لایا یا نہین پس اگر مسلمان ہوگیا تو یہ مرتد

ہو جانا زوال ملک کے حق مین کالعدم ٹھہرایا جائیگا اور ایسا ہو جائیگا کہ گویا وہ برابر مسلمان رہا اور ملک زائل ہونے کا سبب یعنی ارتداد نہین کیا اور اگر وہ مرگیا یا اپنے مرتد ہونے پر قتل کیا گیا یا بھاگ کر دارالحرب مین پہونچا اور قاضی نے اُسکے پہونچ جانے کا حکم دیدیا تو اُسکا کفر جم گیا پس ارتداد اپنا عمل کریگا اور اُسکی ملک زائل ہو جائیگی - قال وان مات او قتل علی ردتہ انتقل ما اکتسبہ فی اسلامہ الی ورثتہ المسلمین وکان ما اکتسبہ فی حال ردتہ فیأ وہذا عند ابی حنیفۃ رح - اور اگر مرتد مذکور مرگیا یا حالت ارتداد مین قتل کیا گیا تو جو کچھ اُسنے حالت اسلام مین کمایا تھا وہ اُسکے مسلمان وارثون کو ملیگا اور جو کچھ اُسنے مرتد ہونے کی حالت مین کمایا وہ مال غنیمت ہو اور یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہو - وقال ابو یوسف رح و محمد رح کلاہما لورثتہ وقال الشافعی رح کلاہما فیٔ لانہ مات کافرا والمسلم لا یرث الکافر فہو مال حربی لا امان لہ فیکون فیأ لہما ان لکل فی الکسبین بعد الردۃ باق علی ابنیاہ فینتقل بموتہ الی ورثتہ ویستند الی ما قبیل ردتہ اذ الردۃ سبب الموت فیکون توریث المسلم من المسلم ولابی حنیفۃ رح انہ یمکن الاستناد فی کسب الاسلام لوجودہ قبل الردۃ ولا یمکن الاستناد فی کسب الردۃ لعدمہ قبلہا ومن شرطہ وجودہ ثم انما یرثہ من کان وارثا لہ حالۃ الردۃ ویبقی وارثا الی وقت موتہ فی روایۃ عن ابی حنیفۃ رح اعتبارا للاستناد وعنہ انہ یرثہ من کان وارثا لہ عند الردۃ ولا یطل استحقاقہ بموتہ بل یخلفہ وارثہ لان الردۃ بمنزلۃ الموت وعنہ انہ یعتبر وجود الوارث عند الموت لان الحادث بعد انعقاد السبب قبل تمامہ کالحادث قبل انعقادہ بمنزلۃ الولد الحادث من البیع قبل القبض وترثہ امرأۃ المسلمۃ اذا ماتت او قتل علی ردتہ وہی فی العدۃ لانہ یصیر فارا وان کان صحیحا وقت الردۃ والمرتدۃ کسبہا لورثتہا لانہ لا حراب منہا فلم یوجد سبب الفیٔ بخلاف المرتد عند ابی حنیفۃ رح ویرثہا زوجہا المسلم ان ارتدت وہی مریضۃ لقصدہا الابطال حقہ وان کانت صحیحۃ لا یرثہا لانہا لا تقبل فلم یتعلق بمالہا بالردۃ بخلاف المرتد - اور امام ابو یوسف و محمد نے کہا کہ مرتد کی حالت اسلام کی کمائی اور حالت کفر کی کمائی دونون اُسکے وارثون کی ہونگی اور شافعی (اور مالک و احمد) نے کہا کہ دونون کمائیان مال غنیمت ہین کیونکہ وہ بحالت کفر مرا اور کافر کا وارث مسلمان نہین ہوتا ہی پھر یہ مال ایک ایسے حربی کا ٹھہرا جسکے واسطے امان نہین ہی تو مال غنیمت ہو جائیگا اور صاحبین کی دلیل یہ ہی کہ اُسکی دونون کمائیان بعد مرتد ہونے کے اُسکی ملکیت پر باقی ہین جیسا کہ صاحبین کا مذہب اوپر بیان ہوا ہی تو اُسکی موت کے بعد اُسکی ملک اُسکے وارثون کی طرف منتقل ہوگی اور یہ مرتد ہونے سے کچھ پہلے کی طرف مستند ہوگی کیونکہ مرتد ہونا اُسکی موت کا سبب ہی تو مسلمان کا میراث پانا مسلمان ہی سے ہوا اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہی کہ اسلام کی کمائی کو اسطرح مستند کرنا ممکن ہی کیونکہ وہ مرتد ہونے سے پہلے موجود تھی اور ارتداد کی کمائی کو اسطرح مستند کرنا ممکن نہین کیونکہ مرتد ہونے سے پہلے موجود نہ تھی حالانکہ مستند ہونے کے واسطے یہ شرط ہی کہ اُسوقت موجود ہو پھر رہا یہ کہ کون شخص اسکا وارث ہوگا تو امام ابو حنیفہ سے حسن کی روایت یہ ہی کہ جو شخص مرتد ہونے کی حالت مین اُسکا وارث تھا اور مرتد کی موت تک برابر اُسکا وارث رہا وہ وارث ہوگا کیونکہ مرتد ہونے سے پہلے کی جانب مستند ہی تو اس استناد کا اعتبار ہوگا اور دوسری روایت ابو یوسف کی یہ ہی کہ اُسکے مرتد ہونے کے وقت جو شخص وارث تھا وہ وارث ہوگا اور اگر وہ مر بھی جاوے تو اُسکے وارث بجاے اُسکے مرتد کے وارث ہونگے کیونکہ مرتد ہونا بمنزلہ موت کے ہی اور امام ابو حنیفہ سے تیسری روایت امام محمد کی یہ ہی کہ مرتد کی موت کے وقت وارث کا وجود معتبر ہی کیونکہ سبب منعقد ہونے کے بعد اُس سبب کے پورا ہونے سے پہلے جو وارث پیدا ہوا گویا وہ سبب منعقد ہونے سے پہلے پیدا ہوا جیسے مبیعہ باندی سے قبضہ سے پہلے بچہ پیدا ہوا یعنے وہ قبل بیع کے قرار دیا جاتا ہی اور اسکی مسلمان زوجہ بھی وارث ہوگی بشرطیکہ جس وقت مرتد مرا یا قتل کیا گیا ہی اُسوقت یہ عورت عدت مین ہو کیونکہ شوہر مرتد

Marfat.com

قرار کرنے والا ہو جائیگا اگرچہ وقت مرتد ہونے کے تندرست ہو اور رہی عورت مرتدہ تو اُسکی کمائی اُسکے وارثون کی ہوگی کیونکہ اُسکی طرف سے جنگ نہین ہی تو کوئی ایسا سبب نہین پایا گیا جس سے اُسکی کمائی مال غنیمت ہو جاوے بخلاف مرد مرتد کے کہ اُسکی حالت ردت کی کمائی امام ابوحنیفہ کے نزدیک مال غنیمت ہی اور مرتدہ کا مسلمان شوہر اُسکا وارث ہوگا بشرطیکہ مرتدہ مذکورہ مرتد ہونے کے وقت مریضہ ہو کیونکہ اُسنے شوہر کا حق میراث مٹانا چاہا اور اگر وہ مرتد ہونے کے وقت مریضہ نہو تو شوہر مسلمان اُسکا وارث نہوگا کیونکہ عورت قتل نہین کیجاتی ہی تو اُسکے مرتدہ ہونے سے اُسکے مال کے ساتھ شوہر کا کوئی حق نہین متعلق ہوا بخلاف مرد مرتد کے یعنی چونکہ وہ قتل کیا جاتا ہی تو اُسکا مرتد ہونا گویا موت ہی پس اُسکے مال سے وارثون کا حق متعلق ہو جاتا ہی۔ قال وان لحق بدار الحرب مرتدا وحکم الحاکم بلحاقہ عتق مدبروہ وامہات اولادہ وحلت الدیون التی علیہ ونقل ما اکتسبہ فی حال الاسلام الی ورثتہ من المسلمین وقال الشافعی حق یبقی مالہ موقوفا کما کان لانہ نوع غیبۃ فاشبہ الغیبۃ فی دار الاسلام ولنا انہ صار مرتدا باللحاق من اہل الحرب وہم اموات فی حق احکام الاسلام لانقطاع ولایۃ الالزام کما ہی منقطعۃ عن الموتی فصار کالموت الا انہ لایستقر لحاقہ الا بقضاء القاضی لاحتمال العود الینا فلا بد من القضاء واذا تقرر موتہ ثبت الاحکام المتعلقۃ وہی ما ذکرنا ہا کما فی الموت الحقیقی ثم یعتبر کونہ وارثا عند لحاقہ فی قول محمد رح لان اللحاق ہو السبب والقضاء لتقرره لقطع الاحتمال وقال ابو یوسف رح وقت القضاء لانہ یصیر موتا بالقضاء والمرتدۃ اذا لحقت بدار الحرب فہی علی ہذا الخلاف۔ اگر مرتد ہو کر دار الحرب مین مل گیا اور حاکم نے اُسکے کمانے کا حکم دیدیا تو اُسکے مملوک مدبر وام ولد سب آزاد ہو گئے اور اُسپر جو قرضہ سعادی تھے وہ فی الحال واجب الادا ہو گئے اور جو کچھ اُسنے حالت اسلام مین کمایا تھا وہ اُسکے مسلمان وارثون کی جانب منتقل ہوا (اور صاحبین کے نزدیک حالت ردت کی کمائی بھی وارثون کی ہوگی۔ مف۔) اور شافعی نے فرمایا کہ اُسکا مال اُسکے ملک مین بطور توقف رہیگا جیسے دار الحرب مین جانے سے پہلے یہی حکم تھا کیونکہ دار الحرب مین مل جانا گویا سفر مین غائب ہونے کے مشابہ ہی تو ایسا ہوا گویا دار الاسلام مین سفر کے لیے غائب ہوا اور ہماری دلیل یہ ہی کہ وہ حربیون سے مل کر مرتد ہو گیا اور اسلامی احکام کے حق مین حربی لوگ بمنزلہ مردہ کے ہین کیونکہ اُنپر کوئی بات لازم کرنے کی ولایت منقطع ہی جیسے یہ ولایت مردہ سے منقطع ہوتی ہی لیکن بات یہ ہی کہ اُسکے دار الحرب مین ملنے کا حکم نہ دیا جائیگا مگر جبکہ قاضی حکم دے کیونکہ ہماری طرف پھر آنے کا احتمال ہی تو حکم قاضی ضروری ہوا اور جب اُسکی موت متقرر ہو گئی تو اُسکے مرنے پر جو احکام متعلق تھے وہ ثابت ہو گئے یعنی اُسکے مدبر وام ولد کا آزاد ہونا وغیرہ جو اوپر مذکور ہوئی جیسے حقیقۃ مر جانے مین ہوتا ہی پھر امام محمد کے نزدیک وارث ہونا مرتد کے دار الحرب مین ملنے کے وقت معتبر ہی کیونکہ یہی لحاق سبب میراث ہی اور حکم قاضی اسکو ٹھیک ثابت کرتا ہی تاکہ احتمال جاتا رہے (حاصل یہ کہ دار الحرب مین لحاق کے وقت تک جو وارث پیدا ہوا وہ بھی وارث ہی۔) اور ابو یوسف نے کہا کہ حکم قاضی کے وقت وارث ہونا معتبر ہی کیونکہ اُسکا حربیون مین ملنا بوجہ حکم قاضی کے موت ہو جائیگا (حتی کہ اُسکے حربیون مین ملنے کے بعد حکم قاضی سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی وارث ہوگا) اور اگر مرتدہ عورت بھاگ کر دار الحرب مین مل گئی تو اسمین بھی ایسا ہی اختلاف ہی یعنے امام محمد کے نزدیک وہی وارث معتبر ہونگے جو دار الحرب مین ملنے کے وقت موجود ہین اور ابو یوسف کے نزدیک قاضی کا حکم ہونے تک جو موجود ہو وہ وارث معتبر ہی۔ وتقضی الدیون التی لزمتہ فی حال الاسلام مما اکتسبہ فی حال الاسلام وما لزمتہ فی حال ردتہ من الدیون تقضی مما اکتسبہ فی حال ردتہ قال العبد الضعیف عصمہ اللہ ہذہ روایۃ عن ابی حنیفۃ رح وعنہ انہ یبدأ بکسب الاسلام وان لم یف بذلک یقضی من کسب الردۃ وعنہ علی عکس ذلک والاول ان استحسن

باسببین مختلف وحصول کل واحد من الکسبین باعتبار السبب الذی وجب له الدین فیقضی کل دین من الکسب المکتسب الذی فی تلک الحالة لیکون العزم بالغنم وجه الثانی ان کسب الاسلام ملکه حتی یخلفه الوارث فیه ومن شرط هذه الخلافة الفراغ عن حق المورث فیقدم الدین علیه اما کسب الردة فلیس بملوک له لبطلان اهلیة الملک بالردة عنده فلا یقضی دینه منه الا اذا تعذر قضاؤه من محل آخر فحینئذ یقضی منه کالذمی اذا مات ولا وارث له یکون ماله لجماعة المسلمین ولو کان علیه دین یقضی منه کذلک ههنا وجه الثالث ان کسب الاسلام حق الورثة وکسب الردة خالص حقه فکان قضاء الدین منه اولی الا اذا تعذر بان لم یف به فحینئذ یقضی من کسب الاسلام تقدیما لحقه وقال ابو یوسف ومحمد رح یقضی دیونه من الکسبین لانها جمیعا ملکه حتی یجری الارث فیهما واللہ اعلم۔ اور مرتد پر جو قرضہ حالت اسلام مین لازم ہوے تھے وہ اُسکے اسلام کی کمائی سے ادا کیے جائینگے اور جو قرضہ کہ اُسکے مرتد ہونے کی حالت مین لازم ہوئے ہین وہ اُسکے ارتداد کی کمائی سے ادا کیے جائینگے شیخ مصنف نے فرمایا کہ یہ ابو حنیفہ سے ایک روایت ہی یعنے زفر نے ابو حنیفہ سے روایت کی اور دوسری روایت یہ ہی کہ پہلے اسلام کی کمائی سے ادا کرنا شروع کیا جاوے پھر اگر یہ کمائی اُسکے قرضون کو کافی نہو تو اُسکے ارتداد کی کمائی سے ادا کیے جاوین (یہ روایت حسن ہی) اور تیسری روایت ابو حنیفہ سے اسکے برعکس ہی یعنے پہلے ردت کی کمائی سے شروع کیا جائے پھر اگر سب قرضہ ادا نہون تو اسلام کی کمائی سے ادا کیے جاوین (یہ روایت ابو یوسف ہی) اور روایت اول کی وجہ یہ ہی کہ جو کچھ اُسپر واجب الادا ہی وہ مختلف دو سببون سے مختلف ہی یعنے اسلام کی کمائی کے سبب سے اُسپر اسلامی قرضہ واجب الادا ہی اور ارتداد کی کمائی کی وجہ سے ردت کا قرضہ واجب الادا ہی پس دو مختلف سبب سے دو طرح کا قرضہ اُسپر واجب ہی اور اسلام کی کمائی اور ردت کی کمائی دونون مین سے ہر ایک اُسکو باعتبار ایسے سبب کے حاصل ہوئی جسکے واسطے قرضہ واجب ہوا (مثلاً حالت اسلام مین اُسنے کوئی چیز اُدھار لیکر نفع سے فروخت کی اور حالت ردت مین مثلاً شراب اُدھار لیکر نفع کمایا پس دونون کمائیان اپنے اپنے اُدھار سے حاصل ہوئین جسکے سبب سے اُسپر قرضہ چڑھا) پس ہر ایک قرضہ اُسی کمائی سے ادا کیا جائیگا جو قرضہ کے وقت اُسکی حالت کی کمائی ہی تاکہ قرضہ بھرنا باعتبار منفعت کے ہو اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہی کہ حالت اسلام کی کمائی اُسکی ملک ہی حتی کہ اس کمائی مین اُسکا وارث بجاے اُسکے قائم ہوتا ہی یعنی میراث پاتا ہی اور ایسی قائم مقامی کی شرط یہ ہی کہ مورث کے حق سے فارغ ہو پس قرضہ اُسپر مقدم ہوگا اور رہی ردت کی کمائی تو وہ مرتد کی ملوک نہین ہی کیونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بوجہ اُسکے مرتد ہونے کے مالک ہونے کی لیاقت باطل ہوگئی تو اس کمائی سے اُسکا قرضہ نہین دیا جائے مگر جب اسلام کی کمائی سے یہ قرضہ ادا کرنا متعذر ہو تو اسوقت ردت کی کمائی سے ادا کیا جائیگا جیسے ذمی اگر مرگیا حالانکہ اُسکا کوئی وارث نہین ہی تو اُسکا تمام مال جماعت مسلمانون کے واسطے ہوتا ہی اور اگر اُسپر قرضہ ہو تو اسی مال سے ادا کیا جاتا ہی پس ایسا ہی اس مقام پر ہوگا اور تیسری روایت کی وجہ یہ ہی کہ اُسکے اسلام کی کمائی اُسکے وارثون کا حق ہی اور ردت کی کمائی اُسکا خالص حق ہی تو ردت کی کمائی سے قرضہ ادا کرنا مقدم ہوگا لیکن اگر یہ ناممکن ہو باین طور کہ یہ کمائی ادائے قرض کو کافی نہو تو ایسی صورت مین اُسکے اسلام کی کمائی سے ادا کیا جائیگا کیونکہ اُسکا حق بہ نسبت میراث کے مقدم ہی اور امام ابو یوسف و محمد (اور مالک و شافعی و احمد رح۔) نے کہا کہ قرضہ اُسکی دونون کمائیون سے ادا کیے جاوینگے کیونکہ دونون کمائیان اُسکی ملک ہین حتی کہ دونون مین میراث جاری ہوتی ہی واللہ تعالے اعلم۔ قال وما باعه او اشتراه او اعتقه او وهبه او رهنه او تصرف فیه من امواله فی حال ردته فهو موقوف فان اسلم صحت عقوده وان مات او قتل او لحق بدار الحرب بطلت وهذا عند ابی حنیفة رح وقال ابو یوسف ومحمد یجوز ما صنع فی الوجهین اعلم ان تصرفات المرتد علی اقسام

Marfat.com

نافذ بالاتفاق کالاستیلاد والطلاق لانہ لایفتقر الی حقیقۃ الملک وتمام الولایۃ وباطل بالاتفاق کالنکاح والذبیحۃ لانہ لیعتمد الملۃ ولا ملۃ لہ وموقوف بالاتفاق کالمفاوضۃ لانہا تعتمد المساواۃ ولا مساواۃ بین المسلم والمرتد ما لم یسلم ویختلف فی توقفہ وہو ما عددناہ لہما ان الصحۃ تعتمد الاہلیۃ والنفاذ یعتمد الملک ولاختلافہما فی وجود الاہلیۃ لکونہ مخاطبا وکذا الملک لقیامہ قبل موتہ علی ما قررناہ من قبل ولہذا لو ولد لہ ولد لعبد الردۃ لستۃ اشہر من امرأۃ مسلمۃ یرثہ ولو مات ولدہ لعبد الردۃ قبل الموت لا یرثہ فیصح تصرفاتہ قبل الموت الا ان عند ابی یوسف تصح کما تصح من الصحیح لان الظاہر عودہ الی الاسلام اذ الشبہۃ تزاح فلا یقتل وصار کالمرتدۃ وعند محمد رح تصح کما تصح من المریض لان من استحل الی نحلۃ لا سیما معرضا عما نشأ علیہ قلما یترکہ فیفضی الی القتل ظاہرا بخلاف المرتدۃ لانہا لا تقتل ولابی حنیفۃ رح انہ حربی مقہور تحت ایدینا علی ما قررناہ وفی توقف الملک وتوقف التصرفات بناء علیہ وصار کالحربی یدخل دارنا بغیر امان فیوخذ ویقہر ویتوقف تصرفاتہ لتوقف حالہ وکذا المرتد واستحقاقہ القتل لبطلان سبب العصمۃ فی الفصلین فاوجب خللا فی الاہلیۃ بخلاف الزانی وقاتل العمد لان الاستحقاق فی ذلک جزاء علی الجنایۃ وبخلاف المرأۃ لانہا لیست حربیۃ ولہذا لا تقتل۔ اور مرتد نے جو مال فروخت کیا یا خریدا یا آزاد کیا یا ہبہ کیا یا رہن کیا یا کوئی اور تصرف اپنے اموال مین بحالت ردت کیا تو یہ تصرف موقوف رہیگا یعنے اگر پھر مسلمان ہوگیا تو اُسکا ہر تصرف صحیح ہوگیا اور اگر مرگیا یا قتل کیا گیا یا دار الحرب مین مل گیا تو اُسکا تصرف باطل ہوگیا اور یہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ہی اور امام ابو یوسف و محمد رح نے کہا کہ دونون صورتون مین جو کچھ اُسنے کیا وہ جائز ہی۔ واضح ہو کہ مرتد کے تصرفات کئی قسم کے ہین اول وہ تصرف جو بالاتفاق نافذ ہی جیسے ام ولد بنانا اور طلاق دینا (یعنی عدت مین زوجہ کو طلاق دی یا دونون ساتھ ہی مرتد ہوگئے پھر طلاق دی تو نافذ ہی) کیونکہ اس تصرف مین حقیقی ملک اور پوری ولایت کی ضرورت نہین ہی (چنانچہ اپنے بیٹے کی باندی سے استیلاد صحیح ہی اور غلام کی طلاق جائز ہی اور شفاعہ دینا اور ہبہ قبول کرنا بھی اسی قسم سے ہی ع۔) اور دوم وہ تصرف جو بالاتفاق باطل ہی جیسے نکاح و ذبیحہ (اور وارث ہونا۔ف۔) کیونکہ یہ تصرف باعتماد ملت ہی اور مرتد کے واسطے کوئی ملت نہین ہی اور قسم سوم وہ تصرف جو بالاتفاق موقوف ہی جیسے شرکت مفاوضہ کیونکہ وہ باعتماد مساوات ہی حالانکہ مسلمان و مرتد کے درمیان جب تک وہ مسلمان نہو جائے مساوات نہین ہی اور چہارم وہ تصرف جسکے موقوف ہونے مین اختلاف ہی اور یہ وہی ہین جو ہم اوپر شمار کر چکے (یعنے خرید و فروخت و عتق و رہن اور یون ہی مکاتب کرنا اور قرضہ وصول کرنا اور اجارہ و وصیت۔ف۔) اسمین صاحبین کی دلیل یہ ہی کہ ایسا تصرف صحیح ہونا باعتماد اہلیت ہی اور نافذ ہونا باعتماد ملک ہی اور یہ بات کچھ مخفی نہین کہ اُسمین اہلیت موجود ہی کیونکہ وہ احکام الٰہی سے مخاطب ہی اور اسی طرح ملک بھی موجود ہی چنانچہ ہم سابق مین بیان کر چکے کہ وہ مرتد کی موت تک قائم ہی اسی وجہ سے اگر اسکے مرتد ہونے کے بعد اُسکی مسلمہ زوجہ سے چھ مہینہ تک کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ اُسکا وارث ہوگا (پس اگر ملک زائل ہوگئی ہوتی تو وارث نہوتا ع۔) اور اگر بعد مرتد ہونے کے موت سے پہلے یہ بچہ مرگیا تو وارث نہین ہوگا (اور اگر ملک زائل ہوچکی ہوتی تو وارث ہوتا) پس ثابت ہوا کہ موت سے پہلے اُسکے تصرفات صحیح ہین لیکن صاحبین مین صرف اتنا اختلاف ہی کہ ابو یوسف کے نزدیک یہ تصرفات ویسے ہی صحیح ہونگے جیسے تندرست آدمی کے تصرفات صحیح ہوتے ہین یعنے اُسکے کل مال سے صحیح ہونگے کیونکہ ظاہر یہ ہی کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آویگا اسلیے کہ جو شبہہ اُسکو پیدا ہوگیا ہی وہ مٹا دیا جائیگا تو قتل نہین کیا جائیگا پس یہ مرتدہ عورت کے مثل ہوگیا جو قتل نہین کیجاتی ہی اور امام محمد کے نزدیک یہ تصرفات ویسے صحیح ہونگے جیسے مریض سے صحیح ہوتے ہین یعنے اُسکی ثلث مال سے صحیح ہونگے کیونکہ جس شخص نے کوئی دعوی باندھ لیا خصوصاً ایسی حالت مین کہ جس

Marfat.com

اعتقاد پر پیدا ہوا اور بڑھا ہی اُس سے پھر گیا تو ایسا شخص کہ اُسکو چھوڑتا ہی بس بظاہر اسکا انجام یہ ہی کہ قتل ہوگا بخلاف مرتدہ عورت کے کہ وہ قتل نہین ہوتی ہی اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہی کہ مرتد ایک حربی ہی جو ہمارے قبضہ مین مقہور ہی چنانچہ اُسکی ملک موقوف ہونے مین ہم اسکی تقریر کر چکے ہین (اور جب ملک موقوف ہوئی تو تصرفات بھی موقوف رہینگے-) اور تصرفات موقوف ہونا بنا بر توقف ملک ہی اور یہ مرتد مانند اُس حربی کے ہوگیا جو بغیر امان لیے ہوئے ہمارے ملک مین چلا آیا پس گرفتار کرکے مقہور کیا گیا تو اُسکے تصرفات متوقف ہوتے ہین کیونکہ اُسکی حالت مین ابھی اتنا توقف ہی کہ شاید امام اُسپر احسان کرکے اُسکو چھوڑ دے اور یہی حال اُس مرتد کا ہی لینے جائن ہی کہ اسلام لاکر رہا کیا جائے اور چونکہ وہ مستحق قتل ہوگیا کیونکہ اُسکی عصمت واحترام باطل ہوگیا ہی تو اُسکی اہلیت مین خلل پیدا ہوگیا خواہ مرتد ہو یا حربی ہو بخلاف زانی وعمدا قتل کے کیونکہ زنا یا قتل عمد مین صرف یہ استحقاق ہی کہ اُسکو جرم پر سزا دیجاے اور برخلاف عورت مرتدہ کے کیونکہ وہ حربیہ نہین ہی اسی واسطے وہ قتل نہین کیجاتی ہی- فان عاد المرتد بعد الحکم بلحاقہ بدار الحرب الی دار الاسلام مسلما فما وجدہ فی ید ورثتہ من مالہ بعینہ اخذہ لان الوارث انما یخلفہ فیہ لاستغنائہ واذا عاد مسلما احتاج الیہ فیقدم علیہ بخلاف ما اذا زال الوارث عن ملکہ وبخلاف امہات اولادہ ومدبریہ لان القضاء قد صح بدلیل مصحح فلا ینقض ولو جاء مسلما قبل ان یقضی القاضی بذلک فکانہ لم یزل مسلما لما ذکرنا- اگر مرتد کے حق مین دار الحرب مین مل جانے کا حکم ہوچکا اسکے بعد وہ مسلمان ہوکر دار الاسلام مین لوٹ آیا تو اپنے مال مین سے اپنے وارثون کے پاس جسکو بعینہ پاوے اُسکو لے لے کیونکہ وارث اُسکا قائمقام اسی وجہ سے ہوا تھا کہ مرتد اس مال سے بے پرواہ ہوگیا تھا اور جب وہ مسلمان ہوکر لوٹ آیا تو اس مال کا حاجتمند ہوا پس وہی مقدم ہوگا بخلاف اسکے اگر اس مال کو وارث نے اپنی ملک سے زائل کردیا تو وہ ضامن نہوگا اور بخلاف اُسکے ام ولد و مدبرون کے کہ وے اب رفیق نہین بنائے جائینگے کیونکہ انکے آزاد ہونے کا حکم قضاء ایسی دلیل سے پایا گیا جو اس حکم کو صحیح ثابت کرتی ہی تو یہ حکم نہین توڑا جائیگا اور اگر ہنوز قاضی نے اُسکے دار الحرب مین ملحق ہونے کا حکم نہ دیا ہو کہ وہ مسلمان ہوکر لوٹ آیا تو ایسا قرار دیا جائیگا کہ گویا وہ مسلمان ہی رہا ہی کیونکہ ہم سابق مین ذکر کرچکے کہ اسکا دار الحرب مین مل کر مردے کے حکم مین ہوجانا جب ہی ثابت وقائم ہوتا ہی کہ جب قاضی حکم دیدے- واذا وطی المرتد جاریۃ نصرانیۃ کانت لہ فی حالۃ الاسلام فجاءت بولد لاکثر من ستۃ اشہر منذ ارتد فادعاہ فہی ام ولدہ والولد حر وہو ابنہ ولا یرثہ وان کانت الجاریۃ مسلمۃ ورثہ الابن ان مات علی الردۃ اولحق بدار الحرب اما صحۃ الاستیلاد فلما قلنا واما الارث فلان الام اذا کانت نصرانیۃ والولد تبع لہا لقربہ الی الاسلام للجبر علیہ فصار فی حکم المرتد والمرتد لا یرث المرتد اما اذا کانت مسلمۃ فالولد مسلم تبعا لہا لانہا خیرہا دینا والمسلم یرث المرتد- اور اگر مرتد نے ایسی نصرانیہ باندی سے وطی کی جو حالت اسلام مین اسکی ملک تھی پھر وہ اسکے مرتد ہونے کے وقت سے چھ مہینہ سے زیادہ پر بچہ جنی پس مرتد نے اسکے نسب کا دعوی کیا تو یہ باندی اسکی ام ولد ہوجائیگی اور یہ بچہ آزاد ہوگا اور اس مرتد کا بیٹا ہوگا ولیکن اسکا وارث نہین ہوگا- اور اگر یہ باندی مسلمہ ہو تو یہ بیٹا اس مرتد کا وارث ہوگا جبکہ یہ مرتد اپنے ارتداد پر قتل کیا جاوے یا دار الحرب مین لحاق ہوے- پس استیلاد صحیح ہونے کی دلیل تو ہم سابق مین بیان کرچکے- (یعنی استیلاد صحیح ہونا کچھ حقیقی ملک پر موقوف نہین ہی چنانچہ اگر کسی غلام ماذون نے اپنی تجارت کی کسی باندی سے وطی کرکے اُسکے نسب کا دعوی کیا تو نسب ثابت ہوجائیگا- صف-) اور رہا میراث کا بیان یہ ہی کہ اس بچہ کی ماں جبکہ نصرانیہ ہو اور بچہ اس مرتد کے تابع ہوگا کیونکہ وہ اسلام سے قریب تھا پس مجبور کرکے اسلام پر لایا جائیگا تو جب مرتد کے تابع ہوا تو مرتد کے حکم مین ہوگیا اور ایک مرتد دوسرے مرتد کا وارث نہین ہوتا ہی اور جب اس بچہ کی ماں مسلمہ باندی ہو تو بچہ اپنی ماں کے تابع ہوکر مسلمان ہوگا کیونکہ اسکی ان ہی اندادہ دین کے بہتر ہی تو یہ بچہ اپنے باپ مرتد کا وارث ہوگا- واذا لحق المرتد بمالہ بدار الحرب ثم ظہر علی ذلک

Marfat.com

المال فهو فئ فان لحق ثم رجع واخذه مالا والحقه بدار الحرب فظهر على ذلك المال فوجدته الورثة قبل القسمة ردعليهم لان الاول مال لم يجر فيه الارث والثانى انتقل الى الورثة بقضاء القاضى بلحاقه وكان الوارث مالكا قديما۔ اور اگر مرتد اپنا مال لیکر دار الحرب مین مل گیا پھر مجاہدین نے غالب ہوکر یہ مال لیا تو بالاجماع یہ مال غنیمت ہی اور اگر مرتد تنہا دار الحرب مین مل گیا پھر واپس آکر یہ مال لیکر دار الحرب مین لے گیا پھر مجاہدین نے غالب ہوکر یہ مال لیا پس مرتد کے وارثون نے غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے یہ مال پایا تو وارثون کو دیدیا جائیگا ان دونون صورتون کی دلیل یہ ہی کہ اول صورت مین مرتد جو مال اپنے ساتھ لے بھاگا اُسمین میراث جاری نہین ہوئی تھی اور دوسری صورت مین جو مال واپس ہوکر لے گیا وہ وارثون کی جانب منتقل ہوگیا تھا کیونکہ قاضی نے مرتد کے دار الحرب مین ملجانے کا حکم پہلے دیدیا تھا پس وارث اس مال کا مالک قدیمی ہوا ف اور مال غنیمت مین جب کسی مال کا مالک قدیمی کوئی مسلمان ظاہر ہو تو اُسی کو دیا جاتا ہی۔ واذا لحق المرتد بدار الحرب وله عبد فقضى به لابنه وكاتبه الابن ثم جاء المرتد مسلما فالمكاتبة جائزة والكتابة والولاء للمرتد الذى اسلم لانه لا وجه الى بطلان الكتابة لنفوذها بدليل منفذ فيجعلنا الوارث الذى هو يكون خلفه كالوكيل من جهته وحقوق العقد فيه يرجع الى الموكل والولاء لمن يقع العتق عنه۔ اور اگر مرتد دار الحرب مین مل گیا اور یہان اُسکا ایک غلام ہی پس قاضی نے اُسکے بیٹے کے واسطے اس غلام کا حکم دیدیا اور بیٹے نے اس غلام کو مکاتب کردیا پھر مرتد مذکور مسلمان ہوکر واپس آیا تو عقد کتابت جائز رہیگا اور مال کتابت اور غلام کی ولاء اسی مرتد کی ہوگی جو مسلمان ہوکر آیا ہی اسواسطے کہ کتابت باطل ہونے کی کوئی وجہ نہین ہی کیونکہ نافذ کرنے والی دلیل سے نافذ ہوچکی ہی یعنے قاضی نے وارث کے واسطے حکم دیدیا ہی پس ہمنے وارث مذکور کو مرتد کا قائم مقام تھا مرتد کی جانب سے بمنزلہ دلیل کے قرار دیا اور عقد کتابت مین حقوق کا مرجع موکل کی جانب ہوتا ہی یعنے مال کتابت یہان وارث کے باپ کا ہوگا اور ولاء بھی اُسی کی ہوگی جسکی طرف سے عتق واقع ہوا۔ واذا قتل المرتد رجلا خطاء ثم لحق بدار الحرب او قتل على ردته فالدية فى مال الكتسبه فى حال الاسلام خاصة عند ابى حنيفة رح وقالا الدية فيما اكتسبه فى الاسلام والردة جميعا لان العواقل لا تعقل المرتد لانعدام النصرة فيكون فى ماله وعندهما الكسبان جميعا ماله لنفوذ تصرفاته فى الحالين ولهذا يجرى الارث فيهما عندهما وعنده ماله المكتسب فى الاسلام لنفاذ تصرفه فيه دون المكسوب فى الردة لتوقف تصرفه ولهذا كان الاول ميراثا عنه والثانى فيئا عنده۔ اگر مرتد نے کسی مرد کو خطا سے قتل کیا پھر دار الحرب مین مل گیا یا ارتداد پر قتل کیا گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقتول کی دیت خاصۃ اُس مال مین ہوگی جو اُسنے حالت اسلام مین کمایا ہی اور صاحبین کے نزدیک دیت اُسکی تمام کمائی مین ہوگی خواہ حالت اسلام کی ہو یا حالت ردت کی ہو اسکی دلیل یہ ہی کہ مرتد کی مددگار برادری اس مال کو نہین اُٹھاویگی کیونکہ مددگاری ندارد ہوگئی تو دیت فقط مرتد کے مال مین ہوئی اور صاحبین کے نزدیک اُسکی دونون کمائیان اُسکا مال ہین کیونکہ حالت اسلام وحالت ردت دونون مین اُسکے تصرفات نافذ ہین اور اسی واسطے صاحبین کے نزدیک دونون کمائیون مین میراث جاری ہوتی ہی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اُسکا مال صرف وہی ہی جو اُسنے حالت اسلام مین کمایا ہی کیونکہ اسی مین اُسکا تصرف نافذ ہی اور وہ مال نہین جو اُسنے ردت مین کمایا کیونکہ امام کے نزدیک اس کمائی مین اُسکا تصرف ابھی متوقف ہی اسی واسطے امام کے نزدیک اُسکے اسلام کی کمائی میراث ہوجاتی ہی اور ردت کی کمائی مال غنیمت ہوجاتی ہی ف یعنی اگر وہ مرا یا مارا گیا اور مسلمان نہوا تو حالت ردت کی کمائی مال غنیمت ہوجاتی ہی۔ واذا قطعت يد المسلم عمدا فارتد والعياذ بالله ثم مات على ردته من ذلك او لحق بدار الحرب ثم جاء مسلما فمات

Marfat.com

من ذلک فعلی القاطع نصف الدیۃ فی مالہ للورثۃ اما الاول فلان السرایۃ حلت محلا غیر معصوم فاھدرت بخلاف ما اذا قطع ید المرتد ثم اسلم فمات من ذلک لان الاھدار لا یلحقہ الاعتبارا بالمعتبر فقد یھدر بالابراء فکذا بالردۃ واما الثانی وھو اذا لحق ومعناہ اذا قضی بلحاقہ لانہ صار میتا تقدیرا والموت یقطع السرایۃ واسلامہ حیوۃ حادثۃ فی التقدیر فلا یعود حکم الجنایۃ الاولی فاذا لم یقض القاضی بلحاقہ فھو علی الخلاف الذی نبینہ ان شاء اللہ تعالی۔ اگر کسی مسلمان کا ہاتھ عمداً کاٹا گیا پس وہ مرتد ہوگیا نعوذ باللہ من ذلک پھر وہ اسی زخم سے حالت ردت مین مرگیا یا دارالحرب مین چلا گیا تھا پھر مسلمان ہوکر آیا اور اسی زخم سے مرگیا تو ہاتھ کاٹنے والے پر واجب ہوگا کہ اپنے مال سے اسکی آدھی دیت اسکے وارثون کو دے پس اول صورت مین جب کہ حالت ردت مین مرا ہی تو یہ حکم اسواسطے ہی کہ ہاتھ کاٹنا جو اسکے نفس مین سرایت کرگیا جس سے وہ مرگیا تو ایسے محل مین سرایت کرگیا جو محترم نہین ہی تو اسکا خون رائگان گیا یعنے اسکا خونبہا لازم نہ آیا بخلاف اسکے اگر مرتد کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ مسلمان ہوگیا پھر اسی زخم سے مرگیا تو کچھ بھی واجب نہوگا کیونکہ ہاتھ کاٹنے کے وقت بوجہ مرتد ہونے کے اسکا خون ہدر تھا تو بعد اسکے مسلمان ہوجانے سے معتبر نہو جائیگا اور جو قصاص پہلے سے معتبر ہو وہ کبھی ہدر ہو جاتا ہی بایں طور کہ معاف کردیا گیا پس اسی طرح بوجہ مرتد ہو جانے کے ہدر ہو جائیگا اور رہی دوسری صورت یعنی جبکہ دارالحرب مین مل گیا یعنے اسکے ملجانے کا حکم دیدیا گیا پھر مسلمان واپس ہوکر اسی زخم سے مرا تو خونبہا باطل ہونے کی یہ وجہ ہی کہ ازراہ حکم کے وہ شخص مردہ ہوچکا اور مردے مین زخم سرایت نہین کرتا ہی اور پھر اسکا مسلمان ہونا اس تقدیر پر نئی زندگی ہی تو پہلے جرم کا حکم اب نہین لوٹایا جائیگا یہ سب اس صورت مین کہ دارالحرب مین مل گیا ہو اور اگر ہنوز قاضی نے اسکے ملنے کا حکم نہین دیا تو اسمین اختلاف ہی جسکو ہم انشاء اللہ تعالی بیان کرتے ہین چنانچہ فرمایا۔ فان لم یلحق واسلم ثم مات فعلیہ الدیۃ کاملۃ وھذا عند ابی حنیفۃ رح وابی یوسف رح وقال محمد وزفر رح فی جمیع ذلک نصف الدیۃ لان اعتراض الردۃ اھدر السرایۃ فلا ینقلب بالاسلام الی الضمان کما اذا قطع ید مرتد فاسلم ولھما ان الجنایۃ وردت علی محل معصوم وتمت فیہ فیجب ضمان النفس کما اذا لم یتخلل الردۃ وھذا لانہ لا معتبر بقیام العصمۃ فی حال بقاء الجنایۃ وانما المعتبر قیامھا فی حال انعقاد السبب وفی حال ثبوت الحکم وحالۃ البقاء بمعزل من ذلک کلہ وصار کقیام الملک فی حال بقاء الیمین۔ اور مرتد مذکور کے دارالحرب مین ملجانے کا حکم نہین ہوا تھا کہ وہ مسلمان ہوگیا پھر ہاتھ کے زخم سے مرگیا تو ہاتھ کاٹنے والے پر اسکی پوری دیت واجب ہوگی۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ وابو یوسف رح کے نزدیک ہی اور امام محمد وزفر رح نے کہا کہ ان سب صورتون مین ہاتھ کاٹنے والے پر نصف ہی دیت لازم ہوگی کیونکہ درمیان مین مرتد ہونا طاری ہونے سے سرایت باطل ہوگئی یعنے زخم سرایت کرنے سے جان تلف ہونا رائگان گیا تو پھر مسلمان ہوجانے سے ضمانت عود نہین کریگی جیسے کسی مرتد کا ہاتھ کاٹا پھر وہ مسلمان ہوکر اس زخم سے مرا تو ضمانت عود نہین کرتی ہی امام ابوحنیفہ وابو یوسف کی دلیل یہ ہی کہ مجرم کا جرم ایک محل معصوم پر وارد ہوا یعنی جسوقت ہاتھ کاٹا تو یہ ہاتھ ایک مسلمان کا ہاتھ تھا اور جب وہ اس زخم سے مرا تب بھی مسلمان تھا تو اس جرم کا پورا ہونا بھی محل محترم پر واقع ہوا پس اسکے نفس کی دیت واجب ہوگی جیسے اگر درمیان مین ردت نہوتی تو خونبہا واجب ہوتا (کیونکہ مرتد جب بغیر حکم ارتداد کے دوبارہ مسلمان ہوجاتا ہی تو ایسا قرار دیا جاتا ہی کہ گویا مرتد نہین ہوا) اور اسکی وجہ یہ ہی کہ جرم کی حالت بقاء مین عصمت قائم ہونے کا اعتبار نہین ہی بلکہ عصمت اسی وقت معتبر ہی جب ضمان کا سبب پیدا ہوا اور جب حکم ثابت ہوا ہی اور بقاے جرم کی حالت ان سب سے دور ہی اور یہ ایسا ہوگیا جیسے قسم کے باقی رہنے کے زمانہ مین ملکیت قائم رہنے کا حال ہی ف مثلاً زوجہ سے کہا کہ اگر تو

Marfat.com

اس گھر مین داخل ہو تو تجھے طلاق ہی پھر اُسکو ایک طلاق بائنہ دیدی پھر چند روز بعد اُس سے نکاح کیا پھر وہ اُس گھر مین داخل ہوئی تو طالقہ ہو جائیگی پس معلوم ہوا کہ قسم کے منعقد ہونے کے وقت ملک نکاح چاہیے اور شرط پائے جانے کے وقت ملک نکاح چاہیے اور درمیانی زمانہ مین قسم باقی رہنے کا زاد ہی اسمین ملکیت باقی ہونا معتبر نہین ہی اسی طرح اس مقام پر ہاتھ کاٹنے کے وقت وہ مسلمان تھا پھر درمیان مین مرتد ہو گیا پھر زخم سرایت کر کے جسوقت مرا ہی اُسوقت بھی مسلمان تھا۔ واذا ارتد المکاتب ولحق بدار الحرب واکتسب مالا فاخذ بمالہ وابی ان یسلم فقتل فانہ یوفی مولاہ مکاتبتہ وما بقی فلورثتہ وہذا ظاہر علی اصلہما لان کسب الردۃ لملکہ اذا کان حرا فکذا اذا کان مکاتبا واما عند ابی حنیفۃ فلان المکاتب انما یملک اکسابہ بالکتابۃ والکتابۃ لا توقف بالردۃ فکذا اکسابہ الا تری انہ لا یتوقف تصرفہ بالاقوی وہو العتق فکذا بالادنی بطریق الاولی۔ اگر مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب مین مل گیا حالانکہ اُسنے مرتد ہونے کے زمانہ مین مال کمایا ہی پھر امام نے اُسکو مع مال کے گرفتار کیا اور اُسنے اسلام لانے سے انکار کیا پس قتل کیا گیا تو جو کچھ مال اُسکے پاس ہی اُسمین سے اُسکے مولی کو مال کتابت ادا کر دیا جائیگا اور جو کچھ باقی رہا وہ مکاتب کے مسلمان وارثون کا ہو احد یہ صاحبین کے اصول پر ظاہر ہی کیونکہ حالت ردت کی کمائی اُسکی ملک ہی جبکہ وہ آزاد کے حکم مین ہی اسی طرح جب مکاتب ہو تو بھی اُسکی ملک ہوگی اور رہا امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو یہ حکم اسواسطے ہی کہ مکاتب اپنی کمائی کا بوجہ عقد کتابت کے مالک ہوتا ہی اور کتابت بوجہ مرتد ہونے کے اُس سے موقوف نہوگی (کیونکہ حقیقی موت سے باطل نہین ہوتی) تو اُسکی کمائی بھی متوقف نہوگی کیا نہین دیکھتے ہو کہ رقیق ہونے کی وجہ سے اُسکا تصرف موقوف نہ تھا تو بوجہ ارتداد کے بھی موقوف نہوگا ف یعنی رقیت ایسی چیز ہی کہ اسکے ساتھ کوئی تصرف نافذ نہین ہوتا اور اس معاملہ مین ارتداد اس سے کم ہی کیونکہ مرتد کے بعض تصرفات بالاتفاق نافذ ہوتے ہین اور مکاتب نے جب اسقدر مال چھوڑا جس سے عوض کتابت ادا ہو جائے تو وہ گویا آزاد مرا۔ واذا ارتد الرجل وامرأتہ والعیاذ باللہ ولحقا بدار الحرب فحبلت المرأۃ فی دار الحرب وولدت ولدا او ولد ولدہما اولا فظہر علیہم جمیعا فالولدان فی ذلک المرتدۃ تسترق فیتبعہا ولدہا ویجبر الولد الاول علی الاسلام ولا یجبر ولد الولد وروی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ انہ یجبر تبعا للجد واصلہ التبعیۃ فی الاسلام وہی رابعۃ اربعۃ مسائل کلہا علی الروایتین والثانیۃ صدقۃ الفطر والثالثۃ جر الولاء والاخری الوصیۃ للقرابۃ۔ اور اگر ایک مرد اور اُسکی زوجہ دونون مرتد ہو گئے (نعوذ باللہ من ذلک اور دونون دار الحرب مین مل گئے اور وہان عورت حاملہ ہوئی (یا دار الاسلام مین حاملہ ہو چکی تھی ع۔) پھر اُسکے بچہ پیدا ہوا اور وہ بڑا ہوا حتی کہ اس بچہ کے بھی بچہ ہوا پھر دار الحرب پر غالب ہو کر دونون مرتد اور دونون بچے گرفتار کیے گئے تو دونون بچے مال غنیمت ہین اسواسطے کہ مرتدہ عورت تو رقیق بنائی جائیگی اور اسکا بچہ اسی کے تابع ہوگا (کیونکہ آزادی یا رقیت مین بچہ اپنی ماں کے تابع ہوتا ہی) اور یہ بچہ مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائیگا اور اس بچہ کا جو بچہ پیدا ہوا ہی وہ ظاہر الروایۃ مین مسلمان ہونے پر مجبور نہین کیا جائیگا اور حسن نے ابو حنیفہ سے روایت کی کہ وہ بھی اپنے دادا کے تابع کر کے مجبور کیا جائیگا اور اس اختلاف کی اصل یہ ہی کہ مسلمان ہونے مین حسن کی روایت پر دادا کا تابع ہونا معتبر ہی اور یہ چار مسئلون مین کا چوتھا مسئلہ ہی کہ ان سب مین دو روایتین ہین اور دوسرا مسئلہ صدقۂ فطر ہی اور تیسرا مسئلہ ولاء اپنی طرف لانا اور چوتھا قرابت کے واسطے وصیت ہی ف چنانچہ دوسرے مسئلہ مین دادا اپنے پوتے کی طرف سے درصورت اُسکے باپ کے فقیر ہونے کے صدقۂ فطر ادا کرے یہ روایت حسن ہی اور ظاہر الروایۃ مین نہین ادا کریگا اور تیسرے مسئلہ مین اگر دادا نے پوتے کو آزاد کیا اور اسکا باپ رقیق ہی تو حسن کی روایت پر دادا اپنے پوتے کی ولاء اپنے موالی کی جانب کھینچ لاویگا

Marfat.com

اور ظاہر الروایہ مین نہین اور چوتھا مسئلہ یہ ہی کہ اگر اپنی قرابت کے واسطے کچھ وصیت کی تو اس وصیت مین باپ داخل نہیں ہی اور حسن کی روایت پر دادا بھی داخل نہین ہی اور ظاہر الروایۃ پر داخل ہی۔ م ع۔ قال وارتداد الصبی الذی یعقل ارتداد عند ابی حنیفۃ ومحمد رح ویجبر علی الاسلام ولا یقتل واسلامہ اسلام لا یرث ابویہ ان کانا کافرین وقال ابو یوسف رح ارتدادہ لیس بارتداد واسلامہ اسلام وقال زفر والشافعی رح اسلامہ لیس باسلام وارتدادہ لیس بارتداد۔ جو طفل یعنے غیر بالغ کہ سمجھ رکھتا ہو اُسکا مرتد ہو جانا امام ابو حنیفہ و محمد کے نزدیک ارتداد ہی اور وہ اسلام لانے پر مجبور کیا جائیگا اور قتل نہین کیا جائیگا اور اُسکا مسلمان ہونا بھی اسلام ہی حتی کہ اگر اُسکے والدین کافر ہون تو اُنکا وارث ہوگا اور ابو یوسف نے کہا کہ اُسکا مرتد ہونا ارتداد نہین ہی اور مسلمان ہونا اسلام معتبر ہی اور زفر و شافعی نے کہا کہ اُسکا مسلمان ہونا اسلام نہین اور مرتد ہونا ارتداد نہین ہی ف مین کہتا ہون کہ اُسکا اسلام معتبر ہونے مین اختلاف کو بہت کم گنجایش ہی اور اصل اس باب مین اسلام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی چنانچہ آیندہ اسکو ہم انشاء اللہ تعالے بیان کرینگے۔ لہما فی الاسلام انہ تبع لابویہ فیہ فلا یعقل اصلا ولانہ یلزمہ احکام لا یشوبہا المضرۃ فلا یولی لہ ولنا فیہ ان علیا رضہ اسلم فی صباہ وصح النبی علیہ السلام اسلامہ وافتخارہ بذلک مشہور ہ۔ زفر و شافعی کی دلیل یہ ہی کہ اسلام لانے مین وہ اپنے والدین کا تابع ہی تو اُسکا اصلی اسلام نہین قرار دیا جائیگا لینے یہ نہین ہو سکتا کہ تابع بھی ہو اور اصلی بھی ہو اور اس دلیل سے کہ اُسکا اسلام معتبر کرنے مین اُسکو ایسے احکام لازم ہونگے جنمین مضرت ہی تو اُسکے واسطے اہلیت اسلام معتبر نہوگی یعنے مثلاً اپنے کافر والدین کی میراث سے محروم ہو جائیگا اور ہماری حجت اُسکا اسلام صحیح ہونے مین یہ ہی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی طفولیت مین اسلام لائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنکا اسلام صحیح رکھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسپر افتخار کیا ہی جو مشہور ہی ف یہ افتخار بمقابلہ معاویہ بن ابی سفیان کے جبکہ آپ کو لکھا کہ اے ابو الحسن میرے فضائل مین تب آپ نے چند اشعار لکھے جنکا خلاصہ یہ ہی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے بھائی و خسر ہین اور سید الشہداء حمزہ میرے چچا ہین اور جعفر طیار میرے بھائی ہین اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میری بی بی ہین دونون کا خون و گوشت میرے خون و گوشت سے ملا ہی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونون نواسے میرے فرزند ہین پس تم مین سے کون میری برابری کر سکتا ہی اور مین اسلام مین سب سے سابق ہون کہ مین بالغ نہین ہوا تھا کہ اسلام لایا۔ عفیف بن عمرو نے طویل قصہ روایت کیا جسمین مذکور ہی کہ پھر ایک لڑکا قریب بلوغ آیا اور وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا تو مین نے عباس سے کہا کہ یہ کون شخص ہی تو عباس نے کہا کہ میرا بھتیجا ہی محمد ابن عبد اللہ کہتا ہی کہ وہ پیغمبر ہی اور کسی نے اُسکی پیروی نہین کی سوائے اُسکی بی بی خدیجہ بنت خویلد اور سوائے اس طفل علی بن ابیطالب کے۔ عفیف نے کہا کہ مجھکو تمنا رہی کہ کاش مین اُسوقت مسلمان ہو جاتا تا کہ چہارم اسلام ہوتا۔ رواہ الحاکم والنسائی اور بخاری نے تاریخ مین عروہ سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جسوقت اسلام لائے آٹھ برس کے تھے اور حاکم کی روایت ابن اسحاق مین ہی کہ دس برس کے تھے اور یہی ابن سعد کی روایت مجاہد مین ہی اور بعض روایات مین نو برس ہین اور ذہبی نے روایت بخاری کو ترجیح دی اور یہی ابن الجوزی نے امام احمد سے روایت کیا اور کہا کہ حساب سے آپ کی عمر بھی قریب ساٹھ برس کے ہی پھر جعفر ابن محمد کی روایت اپنے باپ محمد ابن علی سے ذکر کی یعنی محمد ابن علی ابن الحسین سے ذکر کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب شہید ہوئے اٹھاون برس کے تھے ولیکن ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و ابو بکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم ہر ایک کی عمر تریسٹھ ۶۳ برس کی تھی اور حافظ ابن حجر نے

Marfat.com

تقریب بین لکھا کہ آپ نے رمضان سنہ ۴۰ ہجری مین شہادت پائی حالانکہ اُسوقت آپ روے زمین پر تمام بنی آدم سے افضل تھے اسی پر اہل سنت کا اجماع ہی اور اصح قول پر آپ کی عمر شریف ترسٹھ برس کی تھی اور ذہبی نے بھی قریب پینسٹھ کے بیان کی پس ظاہر اول و اخیر کا ناقص سال نکال کر باقی پورے ترسٹھ سال ہوتے ہین اور اس تقدیر پر لازم آتا ہی کہ آپ کی عمر وقت اسلام کے دس سال ہو کیونکہ بعد اسکے تیئیس ۲۳ سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تیس ۳۰ برس زندہ رہے پس مجموعہ ترسٹھ سال ہوا اور واضح ہو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتون مین سب کے سابق اور سب سے افضل ہین سوائے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کہ اصح قول پر حضرت سیدۃ النساء اپنی والدہ سے افضل ہین پھر مردون مین روایات صحیحہ مختلف وارد ہوئین بعض مین اول حضرت علی ہین اور بعض مین ابو بکر اور بعض مین بلال اور بعض مین زید ابن حارثہ ہین لہذا علما نے کہا کہ شاید راویون نے باعتبار اقسام کے ہر قسم کا اول بیان کیا خواہ اسطرح کہ اہل خاندان مین سے اول حضرت خدیجہ و حضرت علی ہین یا اسطرح مراد ہو کہ عورتون مین اول حضرت خدیجہ ہین اور مردون مین ابو بکر ہین اور لڑکون مین علی ہین اور موالی مین زید بن حارثہ ہین اور غلامون مین بلال ہین بالجملہ سب روایات متفق ہین کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بلوغ سے پہلے طفولیت مین اسلام لائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ اسلام صحیح رکھا چنانچہ ابو طالب کی میراث صرف طالب و عقیل نے پائی چنانچہ مالک نے موطا مین حضرت علی ابن الحسین سے روایت کی کہ ابو طالب کے وارث عقیل اور طالب ہوے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میراث نہین پائی پس یہ صحت اسلام کی دلیل ہی۔ متن۔ ولانہ اتی بحقیقۃ الاسلام وہی التصدیق والاقرار معہ لان الاقرار عن طوع دلیل علی اعتقادہ علی ما عرف والحقائق لا ترد وما یتعلق بہ سعادۃ ابدیۃ ونجاۃ عقبا و یتہ وہی من اجل المنافع وہو الحکم الاصلی ثم یبتنی علیہ غیرہا فلا یبالی بشوبہ۔ اور اس دلیل سے طفل کا اسلام صحیح ہی کہ وہ اسلام کی حقیقت کو یعنی دلی تصدیق کو مع زبانی اقرار کے لایا کیونکہ خاطر سے اقرار کرنا دلیل اعتقاد ہی جیسا کہ اپنے موقع پر معلوم ہوا اور حقیقت رد نہین ہوتی ہی اور جو چیز کہ اس اسلام سے متعلق ہی وہ دائمی سعادت اور نجات آخرت ہی اور یہ نہایت بزرگ منفعت ہی اور یہی اسلام کا حکم اصلی ہی پھر باقی امور تو اسپر مبنی ہین پس اگر میراث وغیرہ کی کچھ مضرت ہو تو اُسکی پروا نہین ہوگی ف — یہ تقریر تو اُسکے اسلام صحیح ہونے مین ہی رہا اُسکا مرتد ہونا تو وہ ابو یوسف و زفر و شافعی کے نزدیک نہین صحیح ہی چنانچہ اوپر گذرا۔ ولہم فی الردۃ انہا مضرۃ محضۃ بخلاف الاسلام علی اصل ابی یوسف رح لانہ تعلق بہ اعلی المنافع علی ما مر ولابی حنیفۃ ومحمد رح فیہا انہا موجودۃ حقیقۃ ولامرد للحقیقۃ کما قلنا فی الاسلام الا انہ یجبر علی الاسلام لما فیہ من النفع لہ ولا یقتل لانہ عقوبۃ والعقوبات موضوعۃ عن الصبیان مرحمۃ علیہم وہذا فی الصبی الذی یعقل ومن لا یعقل من الصبیان لا یصح ارتدادہ لان اقرارہ لا یدل علی تغییر العقیدۃ وکذا المجنون والسکران الذی لا یعقل۔ اور طفل کا ارتداد صحیح نہونے مین ابو یوسف و زفر و شافعی کی دلیل یہ ہی کہ ارتداد محض مضرت ہی (اور جو چیزین محض مضرت ہون وہ طفل کی طرف سے نہین جائز ہین اسی واسطے اُسکی طلاق و عتاق واقع نہین ہوتی ہی) بخلاف اسلام کے بنا بر اصل ابی یوسف کے کیونکہ اسلام کے ساتھ سب سے اعلی منفعت یعنی نجات آخرت متعلق ہی چنانچہ اوپر بیان ہوا اور ابو حنیفہ و محمد کی دلیل ارتداد صحیح ہونے مین یہ ہی کہ وہ درحقیقت موجود ہی اور حقیقت رد نہین ہو سکتی جیسا کہ ہم اسلام مین بیان کر چکے لیکن طفل مرتد کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائیگا کیونکہ اسی مین اُسکا نفع ہی مگر وہ قتل نہین کیا جائیگا کیونکہ قتل ایک سزا ہی اور اطفال پر رحم کرکے

اُنسے سزا مین اُٹھادی گئی ہین اور یہ سب اختلاف ایسے طفل مین ہی جو اسلام و کفر کو سمجھتا ہو اور جو طفل کہ اُسکا نہین سمجھتا ہی تو اُسکا مرتد ہونا صحیح نہین ہی کیونکہ اُسکا اقرار اسلام اُسکے عقیدہ بدلنے کی دلیل نہین ہی اور یہی حکم مجنون اور ایسے مست کا ہی جسکی سمجھ زائل ہوگئی ف یعنی اُسکا مرتد ہونا یا اسلام لانا بالاجماع نہین صحیح ہی۔

باب البغاۃ

یہ باب باغیون کے بیان مین ہی۔ واضح ہو کہ باغی وہ لوگ ہین جو امام حق پر ناحق خروج کرین اسکی توضیح یہ ہی کہ جب مسلمانون نے ایک امام پر اتفاق کیا اور اُسکے سایہ مین امن کے ساتھ ہوگئے پھر مسلمانون کے کسی گروہ نے امام کی طاعت سے خروج کیا تو دیکھا جائے گا اگر امام نے اُنپر کچھ ظلم کیا ہی تو یہ باغی نہین ہی بلکہ امام پر واجب ہی کہ اپنا ظلم چھوڑکر اُنکے ساتھ انصاف کرے اور لوگون کو چاہیے کہ اُس گروہ کی اعانت نکرین اور امام کی بھی اعانت کرین اور اگر امام نے شرع کے موافق کچھ ظلم نہین کیا بلکہ یہ گروہ اپنے حق کا دعوی کرتا ہی تو یہ لوگ باغی ہین اور ہر شخص جو قتال کرسکتا ہو اُسپر واجب ہی کہ امام کی مدد کرے کیونکہ یہ باغی گروہ مذموم ہی چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنہ سوتا ہی جو کوئی اُسکو جگاوے اللہ تعالی اُسپر لعنت کرے بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہوتے تو ہمکو اہل قبلہ کے ساتھ لڑائی کرنے کا ڈھنگ معلوم نہوتا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے وے اہل عدل ہین اور جو لوگ آپ کے مقابل تھے وے باغی ہین اور ہمارے زمانہ مین صرف قبلہ کا حکم ہی اور عادل و باغی ہم نہین پہچان سکتے کیونکہ یہ سب لوگ دینا چاہتے ہین۔

م ع - واذا تغلب قوم من المسلمین علی بلد وخرجوا من طاعۃ الامام دعاہم الی العود الی الجماعۃ وکشف عن شبہتہم لان علیا رض فعل کذلک باہل حروراء قبل قتالہم ولانہ ایہون الامرین ولعل البشر یندفع بہ فیبدأ بہ۔ اگر مسلمانون مین سے کوئی قوم تغلب کرکے کسی ملک پر قابض ہوگئی اور امام کی فرمانبرداری سے نکل گئی تو امام اُنکو جماعت کی طرف پھرنے کی دعوت کرے اور مستحب ہی کہ اُنکا شبہہ دور کرے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہل حروراء کے ساتھ قبل لڑائی کے ایسا ہی کیا اور اسواسطے کہ شبہہ دور کرنا دونون مین سے آسان امر ہی اور شاید کہ اسی سے شر دور ہوجائے تو پہلے یہی کرے ف اور حروراء ایک گانون ہی کوفہ کے قریب وہان خوارج کی ایک جماعت جمع ہوئی تھی اور بات یہ ہوئی کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے معاویہ کے ساتھ دو شخصون کو حکم ٹھہرایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر سے ایک جماعت الگ ہوگئی چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب یہ لوگ نکل کر حروراء مین جمع ہوئے تو مین نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین نماز کو ٹھنڈے وقت کر دیجئے شاید مین ان لوگون سے باتین کرون آپ نے فرمایا کہ مجھے تجھپر اُنکی طرف سے خوف ہی مین نے عرض کیا کہ کچھ خوف نہین ہی پس مین نے اپنے کپڑے پہنے اور چلا یہانتک کہ اُن لوگون کے پاس پہونچا تو اُنھون نے کہا کہ اے ابن عباس آپ کیون آئے ہین مین نے کہا کہ مین تمہارے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور آپ کے چچازاد بھائی و داماد کے پاس سے آیا ہون پس اُنمین سے چند لوگ میرے پاس ایک طرف ہوگئے پس مین نے کہا کہ وہ کیا باتین ہین جنکا تمنے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے چچازاد بھائی پر عیب نکالا ہی اُنکو میرے سامنے پیش کرو اُنھون نے کہا کہ تین باتین ہین اول یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دین الہی مین لوگون کو حکم ٹھہرایا اور بات یہ تھی کہ حضرت علی نے ابو موسی اشعری کو اپنے و معاویہ کے درمیان حکم کیا تھا اور دوسری بات یہ ہی کہ حضرت علی نے قتال کیا مگر لوگون کے جوروبچے قید نہین کیے اور نہ اُنکا مال لوٹا پس اگر وے لوگ کفار ہین تو ہمکو اُنکے مال و اُنکی جانین حلال ہین اور اگر وے مسلمان ہین تو پھر اُنکا قتل کرنا حرام ہی اور تیسری بات یہ ہی کہ حضرت

Marfat.com

علی نے حکم نامہ مین اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ مٹا دیا پس اگر وہ امیر المومنین نہین ہین تو امیر الکافرین ہین پس ان سے
اُنہنے کہا کہ اگر مین تمکو کتاب اللہ سناؤن اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سناؤن جس سے تمھارا یہ قول
رد ہو تو کیا تم اپنے اس قول سے پھر جاؤگے کہنے لگے کہ ہان واللہ پھر جائینگے تب مین نے کہا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے
لاتقتلوا الصید وانتم حرم تا قولہ تعالے یحکم بہ ذوا عدل منکم یعنے احرام مین جو شخص شکار مارے اُسکی قیمت اللہ تعالی
نے مسلمانون مین سے دو عادل آدمیون پر رکھی اور ایسی ہی عورت کے حق مین حکم مقرر کیا چنانچہ فرمایا فابعثوا حکما
من اہلہ وحکما من اہلہا یعنے شوہر کی طرف سے ایک حکم بھیجو اور عورت کی طرف سے ایک حکم بھیجو پس مین تمکو قسم دلاتا ہون
کہ آدمیون کا حکم قرار دینا اُنکی جانون و مالون کے حق مین اس سے زیادہ واجب ہے کہ ایک خرگوش کے حق مین جسکی
قیمت چوتھائی درم ہو اب مجھے بتلاؤ کہ مین تمھارے اس اعتراض سے نکل گیا انھون نے کہا کہ ہان تب مین نے
کہا یہ جو تم کہتے ہو کہ جن سے قتال کیا اُنکو لونڈی غلام نہین بنایا اور اُنکا مال غنیمت نہین لیا تو مین کہتا ہون کہ آپنے
کو فہ مین صرف حضرت عائشہ اور اُنکے ساتھیون سے قتال کیا بھلا بتلاؤ کہ تم اپنی ماں عائشہ کو گرفتار کرکے وہ امور
حلال سمجھ کے جو جہادی باندیون سے حلال جانتے ہو حالانکہ وہ تمھاری ماں ہین پھر اگر تم ایسا کہو تو کافر ہو اب
بتلاؤ کہ مین تمھارے اس اعتراض سے نکلا کہنے لگے کہ ہان رہا تمھارا یہ کہنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے
نام سے امیر المومنین کا لفظ مٹا دیا تو مین کہتا ہون کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ مین قریش کے ساتھ
صلحنامہ لکھا تو آپ نے اپنے نام پر محمد رسول اللہ لکھا تو قریش نے کہا کہ اگر ہم جانتے کہ آپ محمد رسول اللہ ہین تو
ہم آپ کو خانہ کعبہ سے نہ روکتے پس آپ نے محمد ابن عبد اللہ لکھوایا پس تم جانتے ہو کہ حضرت علی سے حضرت رسول اللہ
بہتر ہین حالانکہ اپنے نام سے رسالت کا لفظ مٹا دیا حالانکہ اس مٹانے سے آپ نبوت سے باہر نہین ہو گئے اب
بتلاؤ کہ مین تمھارے اس اعتراض سے نکل گیا تو کہنے لگے کہ ہان پھر یہ لوگ چھ ہزار تھے اُنمین سے دو ہزار پھر کر میرے
ساتھ آئے اور باقی سب رہگئے جو اپنی گمراہی پر مارے گئے رواہ النسائی واحمد وعبد الرزاق والطبرانی والحاکم بمعنی
اور اللہ عزوجل نے فرمایا وان طائفتان من المومنین اقتتلوا الایۃ یعنے اگر مومنون مین سے دو گروہ باہم قتال کرین
آخر تک۔ بخاری نے کہا کہ اللہ تعالے نے دونون گروہ کو مومن فرمایا پس خارجیون کا یہ قول کہ قتال سے کفر ہو جاتا ہے
بالکل مردود ہے اور خود اللہ تعالے نے قرآن مین باغیون کا ذکر کیا اور حکم دیا کہ باغی گروہ سے قتال کرو یہانتک
کہ حکم الٰہی کی جانب رجوع کرے پس باغی کا حکم صرف وہانتک ہے کہ وہ اطاعت کی طرف رجوع نہ لاوے۔ م۔ ولا
یبدأ بقتال حتی یبدؤہ فان بدؤہ قاتلہم حتی یفرق جمعہم قال العبد الضعیف ہکذا ذکرہ القدوری رح
فی مختصرہ وذکر الامام المعروف بخواہرزادہ ان عندنا یجوز ان یبدأ بقتالہم اذا تعسکروا واجتمعوا و
قال الشافعی رح لایجوز حتی یبدؤا بالقتال حقیقۃ لانہ لایجوز قتل المسلم الا دفعا وہم مسلمون بخلاف
الکافر لان نفس الکفر مبیح عندہ ولنا ان الحکم یدار علی الدلیل وہو الاجتماع والامتناع وہذا لانہ لو انتظر
الامام حقیقۃ قتالہم ربما لایمکنہ الدفع فیدار علی الدلیل ضرورۃ دفع شرہم واذا بلغہ انہم یشترون السلاح
ویناہبون للقتال ینبغی ان یاخذہم ویحبسہم حتی یقلعوا عن ذلک ویحدثوا توبۃ دفعا للشر بقدر الامکان
والمروی عن ابی حنیفۃ رح من لزوم البیت محمول علی حال عدم الامام اما اعانۃ الامام الحق فمن اہم الواجب
عند الغناء والقدرۃ۔ اور باغیون سے پہلے قتال شروع نکرے یہانتک کہ باغی خود پہلے شروع کرین پھر اگر وہ لوگ پہلے
شروع کرین تو اسنے یہانتک قتال کرے کہ اُنکی جماعت متفرق ہو جائے شیخ مصنف نے کہا کہ ایسا ہی قدوری نے اپنی

Marfat.com

مختصرین ذکر کیا ہی اور شیخ الاسلام خواہرزادہ نے لکھا کہ ہمارے نزدیک جب باغی اپنا لشکر وجماعت باندھین تو اُنسے اپنی طرف سے قتال شروع کرنا جائز ہی اور شافعی نے فرمایا کہ جبتک وہ لوگ درحقیقت قتال شروع نکرین تب تک اُنسے قتال نہین جائز ہی کیونکہ مسلمان سے قتال کرنا صرف اسی طور پر جائز ہی کہ دفع کرنا مقصود ہو اور باغی لوگ بھی مسلمان ہین برخلاف کافر کے کہ شافعی کے نزدیک اُسکا کفر ہی قتال کو مباح کرتا ہی اور ہماری دلیل یہ ہی کہ حکم کا مدار دلیل پر ہی اور دلیل یہ ہی کہ وہ لوگ مجتمع ہوے اور امام کی طاعت سے انکار کرتے ہین یعنی اُنسے قتال جائز ہوگیا اسواسطے کہ اگر امام اُنکے حقیقی قتال کا انتظار کرے تو ایسا اوقات اُنکا دفع کرنا ممکن نہوگا یعنے جماعت کثیر وقوی ہوجائیگی تو اُنکی بدی دور کرنے کی ضرورت سے جواز کا مدار اُنکے قتال کی دلیل پر ہی اور جب امام کو یہ خبر پہونچی کہ باغی لوگ ہتھیار خریدنے اور قتال کے واسطے مستعد ہوتے ہین تو چاہیے کہ اُنکو گرفتار کرکے قیدخانہ مین ڈالے یہانتک کہ دے لوگ اس بات سے بالکل باز آوین اور توبہ کرین اور یہ اسواسطے ہی کہ جہانتک ممکن ہی شر دور کیا جاوے اور یہ جو امام ابوحنیفہ سے مروی ہی کہ جب مسلمانون مین فتنہ پھیلے تو اپنے گھر بیٹھنا لازم کرلے یہ اُس حالت پر محمول ہی کہ کوئی امام نہو ورنہ جب امام حق موجود ہو تو جہانتک دست رس وقدرت ہی اُسکی اعانت واجب ہی ف کیونکہ اللہ عزوجل نے حکم فرمایا فقاتلوا التی تبغی حتے تفیٔ الی امر اللہ یعنی پس قتال کرو اُس گروہ مومنین سے جو بغاوت کرتا ہی یہانتک کہ اللہ کے حکم کی جانب جھک جاوے پس اس آیت مین حکم دیا قتال کا امام کا ساتھ دینا واجب ہوا اور آیت سے یہ بھی صحیح ثابت ہی کہ باغی گروہ بھی مومنین رہتے ہین اگرچہ گنہگار ہین۔ فان کانت لہم فئۃ اجہز علی جریحہم واتبع مولیہم دفعا لشرہم کیلا یلتحقوا بہم وان لم یکن لہم فئۃ لم یجہز علے جریحہم ولم یتبع مولیہم لاندفاع الشر دونہ وقال الشافعی رح لایجوز ذلک فی الحالین لان القتال انما ازالہ وقد زال فلم یبق قتلہم دفعا وجوابہ ما ذکرناہ ان المعتبر دلیلہ لا حقیقتہ۔ پھر اگر ان باغیون کی کوئی مددگار جماعت دیگر ہو تو جو لوگ اُنکی طرف سے معرکہ مین مجروح ہین اُنکو مقتول کردینا چاہیئے اور بھاگنے والون کا پیچھا کیا جائے تاکہ اُنکا شر دور ہو ایسا نہو کہ یہ لوگ اپنی جماعت سے ملجاوین اور اگر اُنکی کوئی مددگار جماعت نہو تو مجروح کو قتل نہ کیا جاوے اور نہ پریشان بھاگے ہوونکا پیچھا کیا جائے کیونکہ بدون اسکے شر دور ہوگیا اور شافعی نے فرمایا کہ مجروح کو قتل کرنا اور پیچھا کرنا دونون صورتون مین نہین جائز ہی کیونکہ جب اُنھون نے قتال چھوڑ دیا تو اُنکا قتل کرنا دفع شر نہین رہا اور جواب اسکا وہی ہی جو اوپر مذکور ہوا کہ دلیل قتال معتبر ہی اور حقیقۃ قتال کرنا معتبر نہین ہی ف اور درصورتیکہ اُنکی کوئی جماعت باقی ہو تو بھاگے ہوونکا اُنسے ملنا دلیل قتال ہی کیونکہ وہ قتال ہی کے واسطے مجتمع ہوئے ہین اسی واسطے مجروح کو قتل کردیتے ہین کہ اچھا ہوکر پھر لڑنے نہ آوے۔ ولا یسبی لہم ذریۃ ولا یقسم لہم مال لقول علے رض یوم الجمل ولا یقتل اسیر ولا یکشف ستر ولا یوخذ مال وہو القدوۃ فی ہذا الباب وقولہ فی الاسیر تاویلہ اذا لم یکن لہم فئۃ۔ اور باغیون کے ذریات یعنی جورو بچے وغیرہ بطور جہادی کافرون کے مملوک نہین بنائے جائینگے اور نہ اُنکا مال بطور غنیمت کے تقسیم ہوگا کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ جمل کے روز فرمایا کہ خبردار ہو کہ کوئی قیدی قتل نہ کیا جاوے اور نہ کسی عورت کا پردہ کھولا جاوے اور نہ کوئی مال لیا جاوے۔ رواہ ابن ابی شیبہ اور حال یہ ہی کہ باغیون کے قتال مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ پیشوا ہین یعنی جو کچھ آپ نے کیا وہی ہمپر واجب ہی اور قیدی کے حق مین جو آپ نے فرمایا تو تاویل یہ ہی کہ یہ حکم اُسوقت ہی کہ باغیون کے واسطے کوئی جماعت نہو ف ابن ابی شیبہ نے ضحاک سے روایت کی کہ جب طلحہ وزبیر و اُنکے ساتھیون نے شکست کھائی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا منادی کو اُسنے پکارا

کہ خبردار کوئی آنے والا اور کوئی بھاگنے والا قتل نہ کیا جائے اور کوئی دروازہ نہ کھولا جائے اور کوئی عورت یا مال حلال نہ سمجھا جائے۔ ابن ابی شیبہ نے عبد خیر سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمل کے روز فرمایا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا مت کرو اور کسی مجروح کو قتل مت کرو اور جو شخص اپنے ہتھیار ڈالدے اسکو امان ہی۔ ابن ابی شیبہ نے محمد ابن علی ابن الحسین سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یوم البصرہ کو حکم دیا کہ ایک منادی نے پکارا کہ خبردار رہو کہ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اور مجروح نہ قتل کیا جائے اور کوئی قیدی نہ قتل کیا جائے اور جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے اور جو ہتھیار ڈالدے اسکو امان ہی اور آپ نے باغیون کے اسباب مین سے کچھ نہین لیا وہکذا رواہ عبدالرزاق۔ اور بیہقی و حاکم نے حدیث ابن عمر سے روایت کیا اور ابن ابی شیبہ نے محمد ابن الحنفیہ سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یوم جمل کو باغیون کے ہتھیار و گھوڑے لشکر مین بانٹ دیے۔ اور ابن سعد نے طبقات مین محمد ابن الحنفیہ سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ کسی مجروح کو مت قتل کرو اور بھاگنے والے کا پیچھا مت کرو اور باغیون کے ہتھیار و گھوڑے جن سے قتال کیا تھا لشکر مین بانٹ دیے اور ابن ابی شیبہ نے ابو البختری سے روایت کی کہ جب اہل جمل بھاگے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو شخص لشکر سے بھاگا ہوا اسکا پیچھا مت کرو اور جو کچھ ہتھیار و گھوڑے ہون وہ تمہارے ہین اور کوئی عورت تمہارے واسطے نہین ہی اور جس عورت کا شوہر مارا گیا ہو وہ چار مہینہ دس دن عدت بیٹھے پس آپ کے اہل لشکر نے جھگڑا کیا یا امیر المومنین آنکے خون ہمکو حلال ہین اور انکی عورتین ہمکو نہین حلال ہین تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے غضبناک ہوکر فرمایا اپنی عورتین لاؤ اور ام المومنین عائشہ پر قرعہ ڈالو کیونکہ وہ ان سب مین سردار ہین پس اہل لشکر سمجھ گئے اور سبھون نے عرض کیا کہ یا حضرت ہم اللہ تعالے سے استغفار کرتے ہین۔ کذا رواہ ابن ابی شیبہ بالجملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے برابر قیدیون کے بارے مین یہی حکم دیا کہ کوئی قتل نہ کیا جاوے اور اسکی وجہ یہی تھی کہ انکے واسطے کوئی اور جماعت نہ تھی کہ وہان رجوع کرکے پناہ لیتے۔ فان کانت یقتل الامام الاسیر وان شاء حبسہ لما ذکرنا ولانہم مسلمون والامام یعصم النفس والمال۔ اور اگر باغیون کے واسطے کوئی جماعت پناہ و مددگار ہو تو امام کو روا ہی کہ قیدی کو قتل کردے اور اگر چاہے اسکو قید رکھے کیونکہ اس سے شر دور رہیگا اور اسلیے کہ یہ لوگ مسلمان ہین اور امام کا کام ہی کہ وہ جان و مال کی حفاظت کرے۔ ولا باس بان یقاتلوا السلاح ہم ان احتاج المسلمون الیہ وقال الشافعی رح لا یجوز والکراع علی ہذا الخلاف لہ انہ مال مسلم فلا یجوز الانتفاع بہ الا برضاہ ولنا ان علیا رض قسم السلاح فیما بین اصحابہ بالبصرۃ وکانت قسمتہ للحاجۃ لا للتملیک ولان للامام ان یفعل ذلک فی مال العادل عند الحاجۃ ففی مال الباغی اولی والمعنی فیہ الحاق الضرر الادنی لدفع الاعلی۔ اور مضائقہ نہین ہی کہ باغیون کے ہتھیار لیکر انکے ذریعہ سے قتال کرین بشرطیکہ مسلمانون کو ان ہتھیارون کی ضرورت ہو اور شافعی نے فرمایا کہ نہین جائز ہی اور گھوڑے اور اونٹون مین بھی ایسا ہی اختلاف ہی اور امام شافعی کی دلیل منع یہ ہی کہ یہ مسلمان کا مال ہی تو بغیر اسکی رضامندی کے اس سے نفع اٹھانا نہین جائز ہی اور ہماری دلیل یہ ہی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بصرہ مین ہتھیارون کو اپنے اہل لشکر مین تقسیم کردیا اور سواری کے جانورون کو بھی تقسیم کردیا۔ رواہ ابن ابی شیبہ عن محمد ابن الحنفیہ۔ ف۔) اور آپ کی یہ تقسیم اہل لشکر کی ضرورت کے واسطے تھی اور انکو مالک کردینے کے واسطے نہین تھی اس دلیل سے کہ امام کو ایسا کرنا ضرورت کے وقت اہل عدل کے مال مین جائز ہی تو باغیون کے مال مین بدرجہ اولے جائز ہی اور اسمین بعید یہ ہی کہ مکتر ضرر

Marfat.com

لاحق کرنا بڑا ضرر دور کرنے کے واسطے ثابت ہی ف یعنی صرف ایک خاص گروہ باغیون سے یہ ہتھیار لیے تاکہ عامہ مسلمانون سے انکا ضرر دور ہو۔ منہ۔ بلکہ ان ہتھیارون سے باغی لوگ قتال کرکے گنہگار ہوتے تو اُنکے ہتھیار لے لینے کا ضرر اُنکو کتنا پہونچا اور گناہ کا ضرر عظیم اُنسے دور ہوگیا اور اس سے ظاہر ہی کہ اگر باغی لوگ درحقیقت باغی نہون یعنے کسی دلیل وشبہہ کی وجہ سے وہ لوگ قتال کرتے ہون تو اُنکے ہتھیار لینا بھی جایز ہی کیونکہ اُنکا شبہہ علم دقیق سے بعد تحقیق کے خطا ہی تو درحقیقت اُنکا قتال بیفائدہ ہی۔م۔ ویحبس الامام اموالہم ولا یردہا علیہم ولا یقسمہا حتی یتوبوا فیردہا علیہم او علی ورثتہم فلما بینا ہ واما الحبس فلدفع شرہم بکسر شوکتہم ولہذا یحبسہا عنہم وان کان لا یحتاج الیہا الا انہ یبیع الکراع لان حبس الثمن انظر وایسر واما الرد بعد التوبۃ فلاندفاع الضرورۃ ولا استغنام فیہا۔ اور باغیون کے مالون کو امام روک رکھے اور باغیون کو واپس نہ دے اور نہ اپنے لشکریون مین تقسیم کرے یہانتک کہ جب باغی توبہ کرین تو اُنکو واپس دے پس لشکریون مین تقسیم کرنے کی دلیل تو ہم بیان کرچکے یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد اور یہ کہ وہ مسلمانون کا مال ہی اور نہ اُسکو روکنا تو باغیون کی بدی دور کرنے کے واسطے ہی تاکہ اُنکی شوکت وقوت ٹوٹے اسی وجہ سے وہ باغیون کو نہ دے اگرچہ امام کو اُسکی ضرورت نہو مگر وہ سواری کے جانورون کو فروخت کرکے اُنکے دام رکھ چھوڑے کیونکہ دام رکھ چھوڑنا مناسب اور آسان ہی اور رہا بعد توبہ کے واپس دینا اسواسطے ہی کہ ضرورت دور ہوگئی اور یہ اموال کچھ مال غنیمت نہین ورنہ قال وما جباہ اہل البغی من البلاد التی غلبوا علیہا من الخراج والعشر لم یاخذہ الامام ثانیا لان ولایۃ الاخذ لہ باعتبار الحمایۃ ولم یحمہم فان کانوا صرفوہ فی حقہ اجزی من اخذ منہ لوصول الحق الی مستحقہ وان لم یکونوا صرفوہ فی حقہ فعلی اہلہ فیما بینہم وبین اللہ تعالے ان یعیدوا ذلک لانہ لم یصل الی مستحقہ قال العبد الضعیف رحمہ قالوا لا اعادۃ علیہم فی الخراج لانہم مقاتلۃ فکانوا مصارف وان کانوا اغنیاء وفی العشر ان کانوا فقراء فکذلک لانہ حق الفقراء وقد بیناہ فی الزکوۃ وفی المستقبل یاخذہ الامام لانہ تحمیہم فیہ لظہور ولایتہ۔ اور باغی لوگون نے جن ملکون پر قابض ہوکر وہان کا خراج وعشر جو کچھ وصول کیا بعد فتح کے امام اُسکو دوبارہ نہین لیگا کیونکہ امام کو ولایت وصول باعتبار حمایت کے ہی یعنے اُنکی حمایت کرے تو اُسنے خراج وعشر وصول کرے حالانکہ امام نے اُنکی حمایت نہین کی پھر باغیون نے اس مال کو جہان صرف کرنا چاہیے وہان صرف کیا تو جن لوگون سے لیا گیا اُنکو کافی ہوگیا کیونکہ حق اپنے مستحق کو پہونچ گیا اور اگر باغیون نے اُسکو اپنے موقع پر نہین صرف کیا تو جن لوگون نے دیا ہی اُنپر ازراہ دیانت کے فیما بینہم وبین اللہ تعالے یہ واجب ہوگا کہ دوبارہ اُسکے مستحقین کو ادا کردین کیونکہ حق اپنے مستحق کو نہین پہونچا اور شیخ مصنف نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ فرماتے ہین کہ خراج کے بارہ مین خراج دینے والون پر دوبارہ دینا لازم نہین ہی کیونکہ خراج جہان صرف کیا جاتا ہی وہ لڑنے والے سپاہیون کو دیا جاتا ہی تو باغی لوگ بھی مستحق ہین کیونکہ باغی لوگ بھی اہل جہاد وقتال ہین تو خراج کے مصرف ہوے اگرچہ تونگر ہون اور عشر کی صورت مین اگر باغی لوگ فقیر ہون تو بھی یہی حکم ہی کہ اعادہ لازم نہین ہی کیونکہ عشر فقیرون کا حق ہی اور ہم اسکو باب الزکوۃ مین بیان کرچکے ہین پھر آیندہ سال مین امام وصول کرے کیونکہ اس زمانہ مین وہ اُنکی حمایت کریگا کیونکہ اُسکی حکومت ظاہر ہوگئی۔ ومن قتل رجلا وہما من عسکر اہل البغی ثم ظہر علیہم فلیس علیہ شیئ لانہ لا ولایۃ للامام العدل حین القتل فلم ینعقد موجبا کالقتل فی دار الحرب۔ اور اگر باغیون کے لشکر مین سے ایک شخص نے دوسرے کو مار ڈالا پھر امام عادل اُنپر غالب ہوا تو قاتل پر قصاص یا دیت کچھ واجب نہین ہی کیونکہ قتل واقع

ہونے کے وقت امام عادل کی ولایت اُپر نہین تھی تو یہ قتل موجب قصاص یا دیت نہین ہوا جیسے دارالحرب مین قتل واقع ہونے کا حکم ہی ف یعنی دارالحرب مین دو شخص مسلمان مین سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر قاتل دارالاسلام مین آیا تو قاتل سے قصاص یا دیت نہین لیجائیگی۔ وان غلبوا علی مصر قتل رجل من اہل المصر رجلا من اہل المصر عمدا ثم ظہر علی المصر فانہ یقتص منہ وتاویلہ اذا لم یجر علی اہلہ احکامہم وازعجوا قبل ذلک وفی ذلک لم تنقطع ولایۃ الامام فیجب القصاص۔ اور اگر باغی لوگ کسی شہر پر غالب ہوے پھر شہر کے ایک شخص نے دوسرے شخص کو عمداً مار ڈالا پھر امام عدل اس شہر پر غالب ہوا تو قتل سے قصاص لیا جائیگا اور فخر الاسلام نے اسکی تاویل یہ بیان کی کہ یہ حکم اُسوقت ہی کہ اس شہر پر باغیون کے احکام جاری نہین ہوے بلکہ اس سے پہلے ہی باغی وہان سے اکھاڑ دیے گئے اور صرف اتنی حالت تک امام کی ولایت وہان سے منقطع نہوگی تو قصاص واجب ہوگا ف پس ماصل مسئلہ یہ ہوا کہ اس شہر پر باغیون کا تسلط پورا نہین ہونے پایا۔ واذا قتل رجل من اہل العدل باغیا فانہ یرثہ فان قتلہ الباغی وقال قد کنت علی حق وانا الآن علی حق ورثہ وان قال قتلتہ وانا اعلم انی علی الباطل لم یرثہ وہذا عند ابی حنیفۃ ومحمد رح وقال ابو یوسف رح لا یرث الباغی فی الوجہین وہو قول الشافعی رح واصلہ ان العادل اذا اتلف نفس الباغی او مالہ لا یضمن ولا یاثم لانہ مامور بقتالہم ودفع شرہم والباغی اذا قتل العادل لا یجب الضمان عندنا ویاثم وقال الشافعی رح فی القدیم انہ یجب وعلی ہذا الخلاف اذا تاب المرتد وقد اتلف نفسا او مالا لہ انہ اتلف مالا معصوما او قتل نفسا معصومۃ یجب الضمان اعتبارا بما قبل المنعۃ ولنا اجماع الصحابۃ رض ورواہ الزہری رح ولانہ اتلف عن تاویل فاسد وہو الفاسد منہ لحق بالصحیح اذا ضمت الیہ المنعۃ فی حق الدفع کما فی منعۃ اہل الحرب وتاویلہم وہذا لان الاحکام لا بد فیہا من الالزام او الالتزام ولا التزام لاعتقاد الاباحۃ عن تاویل ولا الزام لعدم الولایۃ لوجود المنعۃ والولایۃ باقیۃ قبل المنعۃ وعند عدم التاویل ثبت الالتزام اعتقادا بخلاف الاثم لانہ لا منعۃ فی حق الشارع اذا ثبت ہذا فنقول قتل العادل الباغی قتل بحق فلا یمنع الارث ولابی یوسف رح فی قتل الباغی العادل ان التاویل الفاسد انما یعتبر فی حق الدفع والحاجۃ ہہنا الی استحقاق الارث فلا یکون التاویل معتبرا فی حق الارث ولہما فیہ ان الحاجۃ الی دفع الحرمان ایضا اذ القرابۃ سبب الارث فیعتبر الفاسد فیہ الا ان من شرطہ بقاءہ علی دیانۃ فاذا قال کنت علی الباطل لم یوجد الدفع فوجب الضمان۔ اگر اہل عدل مین سے ایک شخص نے اپنے مورث باغی کو قتل کیا تو بھی قاتل اُسکا وارث ہوگا اور اگر باغی نے اپنے مورث عادل کو قتل کیا تو اسمین دو صورتین ہین ایک یہ کہ باغی نے کہا کہ مین اسوقت بھی حق پر تھا اور مین اب بھی حق پر ہون تو اُسکا وارث ہوگا اور اگر باغی نے کہا کہ اُسکو قتل کرنے کے وقت جانتا تھا کہ مین باطل پر ہون تو اُسکا وارث نہین ہوگا اور یہ امام ابوحنیفہ و محمد کا قول ہی اور ابو یوسف نے فرمایا کہ باغی دونون صورتون مین وارث نہین ہوگا اور یہی شافعی کا قول ہی اور اس اختلاف کی اصل یہ ہی کہ عادل نے اگر باغی کا مال یا جان تلف کی تو ضامن نہین ہوگا اور گنہگار بھی نہین ہوگا کیونکہ اُسکو باغیون کے ساتھ قتال کرنے کا حکم ہی تاکہ باغیون کا فتنہ دفع ہو اور باغی نے اگر عادل کو قتل کیا تو ہمارے نزدیک ضمان واجب نہوگی مگر گنہگار ہوگا اور شافعی نے اپنے قدیم قول مین کہا کہ ضمان بھی واجب ہوگی (اور یہی قول مالک ہی) اور اسی طرح مرتد نے اگر توبہ کرلی حالانکہ اُسکے حالت ارتداد مین کوئی جان یا مال تلف کیا ہی تو اسمین بھی

Marfat.com

ایسا ہی اختلاف ہی (اور اگر باغی کو منعت و قوت حاصل نہو اور اس حالت مین اُسنے کوئی جان یا مال تلف کیا تو بالاتفاق ضمان واجب ہی) پس شافعی کی دلیل یہ ہی کہ باغی نے مال محترم یا جان معصوم تلف کی تو اُسپر ضمان واجب ہی جیسے منعت سے پہلے قتل کرنے مین واجب ہوتی ہی اور ہماری دلیل اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہی جسکو امام زہری نے روایت کیا (وہ روایت یہ ہی کہ سلیمان ابن ہشام نے امام زہری کو لکھا کہ ایک عورت اپنے شوہر کے پاس سے نکل گئی اور دعوی کیا کہ میری قوم مشرک ہی اور خوارج مین جاکر مل گئی اور وہان اُسنے نکاح کرلیا پھر توبہ کرکے لوٹ آئی تو اسکا کیا حکم ہی پس زہری رح نے جواب مین لکھا کہ خوارج کا فتنہ جسوقت پھیلا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت سے ایسے صحابہ غزوہ بدر مین حاضر تھے پس ان سب کی رائے اس بات پر متفق ہوئی کہ اگر خوارج نے قرآن کی تاویل کے ساتھ کسی عورت کو حلال کرلیا تو اُسپر حد نہین ہی اور اگر کسی نفس کو قتل کرنا بتاویل قرآن حلال سمجھکر اُسکو قتل کیا تو قصاص نہین ہی اور اگر خارجیون کے پاس کسی مسلمان کا مال بعینہ پایا جاوے تو اُسکو واپس دیا جاوے پس میرے علم مین یہ بات ہی کہ تم اس عورت کو اُسکے شوہر کو واپس دو اور اگر اس عورت کو کوئی شخص بدکاری کا بہتان لگاوے تو اُسکو حد قذف مارو۔ رواہ ابن ابی شیبہ عن معمر عن الزہری۔ ت۔ اور دوسری دلیل یہ ہی کہ باغی نے تاویل فاسد پر تلف کیا اور فاسد تاویل بھی صحیح تاویل کے ساتھ لمحالی ہی یعنے ضمان دور ہونے مین تاویل فاسد بمنزلہ تاویل صحیح کے ہی بشرطیکہ تاویل فاسد والون کو قوت منعت حاصل ہو جیسے حربی کافرون اور اُنکی تاویل مین جو منعت قوت کے ساتھ ہی یہی حکم ہی (یعنے اگر حربیون نے لڑائی مین مسلمان قتل کیے یا مال تلف کیے پھر سب مسلمان ہوگئے تو اُنپر قصاص یا ضمان نہین ہی) اور اسکی وجہ یہ ہی کہ احکام مین الزام بالتزام ضرور ہی یعنے حاکم لازم کردے یا اپنی خوشی سے لازم کرلے اور باغی نے التزام نہین کیا کیونکہ وہ اپنی تاویل سے اہل عدل کا جان و مال مباح جانتا ہی اور باغی پر امام کی طرف سے بھی لازم کرنا نہین پایا جاتا ہی کیونکہ امام کی ولایت اُسپر نہین ہی کیونکہ اُنکو دفیعہ کی قوت حاصل ہی اور جبتک کہ اُنکو دفیعہ کی قوت حاصل نہ تھی اُسوقت تک امام کی ولایت باقی تھی لہذا ضمان واجب ہونے کا حکم ہوتا تھا اور اسی طرح جب باغی نے تاویل نہ کی ہو تو التزام ثابت ہی یعنی اپنے اعتقاد مین وہ عادل کو قتل کرنا یا مال لینا حرام جانتا ہی برخلاف گناہ کے کہ وہ ہر صورت سے ثابت ہی کیونکہ حق شرع مین منعت کا کچھ اعتبار نہین جب یہ اصل ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہین کہ جب عادل نے باغی کو قتل کیا تو یہ قتل برحق ہی تو عادل اُسکی میراث سے محروم نہوگا اور ابی یوسف نے جو کہا کہ باغی نے اگر عادل کو قتل کیا تو ہر حال مین محروم ہی اس دلیل سے کہ تاویل فاسد کا اعتبار صرف ضمان دور ہونے مین ہی اور یہان حاجت استحقاق ارث کی ہی تو ارث کے بارہ مین تاویل فاسد کا اعتبار نہوگا یعنے باغی قاتل اپنے مورث عادل کا وارث نہوگا اور امام ابو حنیفہ و محمد رح کہتے ہین کہ یہان محرومی دور ہونے کی بھی حاجت ہی اسواسطے کہ باہمی قرابت سبب ارث ہی تو محرومی دور ہونے مین بھی تاویل فاسد معتبر ہوگی لیکن معتبر ہونے کی شرط یہ ہی کہ درحقیقت وہ اس تاویل کو صحیح جانتا ہو یعنے کہے کہ مین اُسوقت حق پر تھا لہذا اگر اُسنے کہا کہ مین باطل پر تھا تو ضمان دور کرنے والی تاویل نہین پائی گئی پس ضمان واجب ہو جائیگی یعنی پھر میراث سے بھی محروم ہو جائیگا **فائدہ** خلاصہ یہ ہی کہ باغی نے جسوقت قرآن و حدیث سے اپنے نزدیک ایک معنی نکالے اگرچہ وہ معنی درحقیقت اُسکے فاسد سمجھ ہی لیکن اس بناء پر جو اُسنے جان و مال تلف کیا اُسکا قصاص دور ہونے کے لیے یہ تاویل معتبر ہوگی کیونکہ جب کافر بعد لڑائی کے مسلمان ہو جائین تو اُنپر قصاص نہین ہوتا اسوجہ سے کہ وہ اپنے اعتقاد مین شرک کو حق جانتا تھا حالانکہ وہ محض شیطان کی تاویل تھی جو معتبر ہوئی یعنے قصاص نہ لیا گیا تو باغی کی تاویل جو قرآن سے ہی اس بارہ

Marfat.com

مین بدرجۂ اولے مستحق زدگی کہ اُس سے قصاص نہ لیا جاوے رہا یہ کہ اگر اُسنے لڑائی مین اپنے مورث کو قتل کیا اور قاتل میراث سے محروم ہوتا ہی تو کیا یہ قاتل بھی محروم ہوگا یا نہین حالانکہ اسمین کچھ خلاف نہین کہ اگر امام کے ساتھ ایک شخص اہل عدل مین ہو اور اسکا باپ باغیون کے ساتھ ہو پھر بیٹے کے ہاتھ سے باپ مارا گیا تو بالاتفاق بیٹا اُسکی میراث سے محروم نہوگا کیونکہ اللہ تعالے نے باغیون کے ساتھ قتال کا حکم دیا اور اگر باغی باپ کے ہاتھ سے بیٹا مارا گیا تو ابو یوسف و شافعی کے نزدیک باپ مطلقاً محروم ہوگا کیونکہ اُسنے ناحق قتل کیا اور امام ابو حنیفہ و محمد کے نزدیک اُسکی تاویل فاسد بہان بھی کارآمد ہوگی جیسے کفار کی بد اعتقادی بعد مسلمان ہوجانے کے محروم نہین کرتی ہی لہذا اگر باغی نے کہا کہ مین اُسوقت بھی حق پر تھا اور اب بھی حق پر ہون یعنے جو حکم شرع مین نے سمجھا ہی یہی حق ہی تو وہ محروم نہوگا اور اگر اب کہتا ہی کہ مین اُسوقت باطل پر تھا تو گویا کہتا ہی کہ مین نے اپنے مورث کو ناحق قتل کیا پس محروم ہوگا ویکرہ بیع السلاح من اہل الفتنۃ وفی عساکرہم لانہ اعانۃ علی المعصیۃ ولیس ہبیعہ بالکوفۃ من اہل الکوفۃ ومن لم یعرفہ من اہل الفتنۃ باس لان الغلبۃ فی الامصار لاہل الصلاح وانما یکرہ بیع نفس السلاح لا بیع ما لا یقاتل بہ الا بصنعۃ الا تری انہ یکرہ بیع المعازف ولا یکرہ بیع الخشب وعلی ہذا الخمر مع العنب۔ واضح ہو کہ اہل فتنہ کے ہاتھ اور اُنکے لشکر مین ہتھیار بیچنا مکروہ ہی کیونکہ یہ گناہ پر مدد گاری ہی اور کوفہ مین اہل کوفہ کے ہاتھ اور جسکو خوارج مین سے نہ پہچانتا ہو اُسکے ہاتھ ہتھیار بیچنا کچھ مضائقہ نہین کیونکہ شہرون مین صالحین عادل غالب لوگ ہین پھر مکروہ خود ہتھیارون کا بیچنا ہی اور ایسی چیز جس سے بغیر بنائے ہوئے قتال نہین ہوسکتا ہی اُسکا بیچنا مکروہ نہین ہی یعنے جیسے لوہا وغیرہ کیا نہین دیکھتے ہو کہ طنبورہ وغیرہ بیچنا مکروہ ہی اور اُسکی لکڑی بیچنا مکروہ نہین ہی جس سے طنبورہ بنتا ہی اور یہی حال شراب کا انگور کے ساتھ ہی ف یعنی شراب بیچنا حرام ہی حالانکہ انگور بیچنا جائز ہی

کتاب اللقیط

یہ کتاب لقیط کے بیان مین ہی۔ یعنے آدمی کا بچہ جو کسی مقام پر لاوارث پڑا ہوا اور یہ دریافت نہو کہ یہ کس شخص کا بچہ ہی اللقیط سمی بہ باعتبار مالہ لما انہ یلقط والالتقاط مندوب الیہ لما فیہ من احیائہ وان غلب علی ظنہ ضیاعہ فواجب۔ لقیط کا نام لقیط ملجا اُسکے انجام کے رکھا گیا کیونکہ اُن سے اُٹھالیا جاتا ہی یعنے لقیط کے معنی لغت مین اُٹھایا ہوا اور لقیط کا اُٹھالینا مستحب ہی کیونکہ اسمین اُسکی پرورش ہی اور اگر دیکھنے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ میرے نہ اُٹھانے سے یہ ضایع ہوجائیگا تو اُسپر اُٹھانا واجب ہی۔ قال اللقیط حر لان الاصل فی بنی آدم انما ہو الحریۃ وکذا الدار دار الاحرار ولان الحکم للغالب۔ لقیط آزاد ہوتا ہی کیونکہ آدمی مین اصل آزادی ہی اور یون ہی دار الاسلام بھی آزادون کا ملک ہی اور اسواسطے کہ اکثر کے اعتبار سے حکم ہوتا ہی ف یعنی دار الاسلام مین اکثر لوگ آزاد ہین تو انھین کے لحاظ سے یہ بھی آزاد ہوگا اور اگر لقیط کے ساتھ کچھ مال ہو تو اُسکا نان نفقہ اسی مال سے ہوگا اور ملتقط یعنے جو شخص اُٹھالایا ہی وہ اسی مال سے اُسکی پرورش کرے رہا یہ کہ اگر اُسکے ساتھ مال نہو تو فرمایا۔ ونفقتہ فی بیت المال ہو المروی عن عمر وعلی رضہ ولانہ مسلم عاجز عن الکسب ولا مال لہ ولا قرابۃ فاشبہ المقعد الذی لا مال لہ ولان میراثہ لبیت المال والخراج بالضمان ولہذا کانت جنایتہ فیہ والملتقط متبرع فی الانفاق علیہ لعدم الولایۃ الا ان یامرہ القاضی بہ لیکون دینا علیہ لعموم الولایۃ۔ اور اُسکا نفقہ بیت المال مین ہوگا اور حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہی (چنانچہ مالک نے مؤطا مین اور عبد الرزاق نے مصنف مین روایت کیا ہے۔)

اور اس دلیل سے کہ لقیط ایک مسلمان ہی جو کمائی سے عاجز ہی اور اسکا مال نہین اور نہ قرابت ہی تو ایسے بچے کے مشابہ ہوگیا جسکا کچھ مال نہو لینے جیسے بچے کا نفقہ بیت المال مین ہوتا ہی اسی طرح لقیط کا بھی نفقہ بیت المال مین ہوگا اور اس دلیل سے کہ لقیط کی میراث بیت المال مین داخل ہوتی ہی حالانکہ جسکو حاصلات ملے وہی خرچہ اُٹھاوے اسی واسطے لقیط اگر کوئی جرم کرتا ہی تو بیت المال اسکا خرچہ اُٹھاتا ہی اور ملتقط جو کچھ اُسکی پرورش مین خرچ کرے وہ احسان ہی کیونکہ ملتقط کو اُسپر کوئی ولایت نہین ہی لیکن اگر قاضی اُسکو یہ حکم دیدے کہ تو اُسپر خرچ کر تاکہ تیرا خرچہ اُسپر قرضہ رہے یعنی بعد بلوغ کے اس سے وصول کر لینا تو ایسا ہی ہوگا کیونکہ قاضی کی ولایت ہر شخص پر عام ہی ف اور اگر قاضی نے یہ نہین کہا کہ تیرا خرچہ اُسپر قرضہ رہے تو خالی پرورش کا حکم دینے سے اُسپر قرضہ نہین ہوگا یہی اصح ہی۔ مف۔ قال فان التقطہ رجل لم یکن لغیرہ ان یاخذہ منہ لانہ ثبت حق الحفظ لہ بسبق یدہ۔ پھر اگر کوئی شخص اُسکو اُٹھالایا تو دوسرے کو یہ اختیار نہین ہی کہ ملتقط سے لے لے کیونکہ ملتقط کے واسطے حق حفاظت حاصل ہوگیا کیونکہ اُسکا ہاتھ پہلے پہونچ گیا ہی۔ فان ادعی مدعی انہ ابنہ فالقول قولہ معناہ اذا لم یدع الملتقط نسبہ وہذا استحسان والقیاس ان لا یقبل قولہ لانہ یتضمن ابطال حق الملتقط وجہ الاستحسان انہ اقرار للصبی بما ینفعہ لانہ یتشرف بالنسب ویعیر بعدمہ ثم قیل یصح فی حقہ دون ابطال ید الملتقط وقیل یبتنی علیہ بطلان یدہ ولو ادعاہ الملتقط قیل یصح قیاسا واستحسانا والاصح انہ علی القیاس والاستحسان وقد عرف فی الاصل۔ پھر اگر کسی مدعی نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہی تو اُسی کا قول قبول ہوگا اسکے معنی یہ ہین کہ ملتقط نے اُسکے نسب کا دعوی نہین کیا بلکہ دوسرے نے دعوی کیا تو خالی دعوی سے نسب ثابت ہوجائیگا اور یہ استحسان ہی اور قیاس چاہتا تھا کہ اُسکا قول قبول نہو کیونکہ اُسکا قول تو ملتقط کا حق ہٹانے کو شامل ہی اور استحسان کی وجہ یہ ہی کہ مدعی کا قول اس بچہ کے حق مین ایسے امر کا اقرار ہی جو اُسکو نافع ہی کیونکہ نسب ثابت ہونے سے اس بچہ کی بزرگی بڑھتی ہی اور نہ ہونے سے اُسکو شرم لاحق ہوگی پھر ایک قول یہ ہی کہ مدعی کا دعوی صرف اُس سے نسب ثابت ہونے مین صحیح ہوگا اور ملتقط کا قبضہ ہٹانے مین معتبر نہوگا اور دوسرا قول یہ ہی کہ نسب ثابت ہونے کی بنا پر ملتقط کا قبضہ بھی باطل ہوجائیگا اور اگر ملتقط نے اُسکے نسب کا دعوی کیا تو کہا گیا کہ قیاسا و استحسانا صحیح ہی لیکن اصح یہ ہی کہ قیاسا نہین صحیح ہی اور استحسانا صحیح ہی چنانچہ مبسوط مین مصرح ہی۔ وان ادعاہ اثنان ووصف احدہما علامۃ فی جسدہ فہو اولی بہ لان الظاہر شاہد لموافقۃ العلامۃ کلامہ وان لم یصف احدہما علامۃ فہو ابنہما لاستوائہما فی السبب ولو سبقت دعوۃ احدہما فہو ابنہ لانہ ثبت حقہ فی زمان لا منازع لہ فیہ الا اذا اقام الآخر البینۃ لان البینۃ اقوی۔ اور اگر ملتقط کے سوائے دو شخصون نے دعوی کیا اور دونون مین سے ایک نے لقیط کے بدن مین کوئی علامت بیان کی تو وہی اولے ہوگا کیونکہ ظاہر حال اُسی کے واسطے گواہ ہی کیونکہ یہ علامت اُسکے کلام کے موافق ہی اور اگر کسی نے کوئی علامت نہین بیان کی تو لقیط ان دونون کا بیٹا قرار دیا جائیگا کیونکہ دعوی کرنے مین دونون ایک ساتھ برابر ہین اور اگر دونون مین سے ایک نے پہلے دعوی کیا تو لقیط اُسی کا بیٹا ہوگا کیونکہ اُسکا حق ایسے وقت مین ثابت ہوا کہ اُسکے ساتھ اسوقت کوئی جھگڑا کرنے والا نہ تھا لیکن اگر دوسرے نے اپنے دعوی کے گواہ قائم کیے تو دوسرا مقدم ہوجائیگا کیونکہ گواہی اُس سے اقوی دلیل ہی۔ واذا وجد فی مصر من امصار المسلمین او فی قریۃ من قراہم فادعی ذمی انہ ابنہ ثبت نسبہ منہ وکان مسلما وہذا استحسان لان دعواہ تضمن النسب وہو نافع للصغیر والبطال الاسلام الثابت بالدار وہو یضرہ فصحت دعوتہ فیما ینفعہ دون ما یضرہ۔ اگر یہ لقیط مسلمانون کے شہرون مین سے کسی شہر مین یا مسلمانون کے گانون مین سے کسی گانون مین پایا گیا پھر ایک ذمی نے دعوی کیا

کہ میرا بیٹا ہی تو ذمی سے اسکا نسب ثابت ہو جائیگا ولیکن یہ بچہ مسلمان ٹھہرایا جائیگا اور یہ دلیل استحسان ہی کیونکہ ذمی کے دعوی مین دو باتین ہین ایک نسب اور یہ اوس بچہ کے واسطے نافع ہی اور دوم اس بچہ کا اسلام مثانا جو مذریعہ دار الاسلام کے اسکو ثابت ہی اور یہ بچہ کے واسطے مضر ہی تو ذمی کا دعوی نسب کے بارہ مین صحیح ہوگیا جو بچہ کو نافع ہی اور اسلام مثانے مین صحیح نہوا جو اسکو مضر ہی۔ وان وجد فی قریۃ من قری اہل الذمۃ او فی بیعۃ او کنیسۃ کان ذمیا وکذا الجواب فیما اذا کان الواجد وما رواتہ واحدۃ وان کان الواجد مسلما فی ہذا المکان او ذمیا فی مکان المسلمین اختلفت الروایۃ فیہ ففی روایۃ کتاب اللقیط اعتبر المکان کما سبقہ وفی کتاب الدعوی فی بعض النسخ اعتبر الواجد وہو روایۃ ابن سماعۃ عن محمد رح لقوۃ الید الا تری ان تبعیۃ الابوین فوق تبعیۃ الدار حتی اذا سبی مع الصغیر احدہما یعتبر کافرا وفی بعض نسخہ اعتبر الاسلام نظرا للصغیر۔ اور اگر یہ لقیط ذمیون کے کسی گانون یا بیعہ یا کنیسہ مین پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا پھر اگر پانے والا اسکا کوئی ذمی ہو تو بالاتفاق یہی ایک روایت ہی کہ لقیط ذمی ہوگا اور اگر پانے والا کوئی مسلمان ہو جسنے اسکو ذمیون کے ان مقامات سے کسی جگہ پایا یا ذمی نے اسکو مسلمانون کی کسی جگہ پایا تو ان دونون صورتون مین روایات مختلف ہین چنانچہ کتاب اللقیط کی روایت مین پائے جانے کی جگہ پر اعتبار ہی یعنے اگر ذمیون کی جگہ پر پایا گیا تو ذمی ہی اگرچہ مسلمان نے پایا ہو اور اگر مسلمانون کی جگہ پر پایا گیا ہو تو مسلمان ہی اگرچہ ذمی نے پایا ہو اور کتاب الدعوی کی روایت مین بعض نسخون مین پانے والے کا اعتبار ہی یعنے اگر پانے والا ذمی ہو تو لقیط ذمی ہی اگرچہ اسنے مسلمانون کی جگہ پایا ہو اور اگر پانے والا مسلمان ہی تو لقیط مسلمان ہی اگرچہ اسنے ذمیون کی جگہ پایا ہو اور یہی ابن سماعہ نے امام محمد سے روایت کی ہی کیونکہ قابض کے قبضہ کو قوت ہی کیا نہین دیکھتے کہ والدین کے تابع ہونے کو ملک کے تابع ہونے پر قوت ہی حتی کہ اگر صغیر کے ساتھ والدین مین سے کوئی شخص قید ہوا ہو تو بچہ کافر معتبر ہوگا اور کتاب الدعوی کے بعض نسخون مین بچہ کی بھلائی کا لحاظ کرکے اسلام کا اعتبار کیا ہی یعنے خواہ مسلمان پاوے یا ذمی پاوے بچہ بہر حال مسلمان ہوگا کیونکہ اسکے حق مین یہی بہتر ہی۔ ومن ادعی ان اللقیط عبدہ لم یقبل منہ لانہ حر ظاہرا الا ان یقیم البینۃ انہ عبدہ۔ اور جس شخص نے دعوی کیا کہ یہ لقیط میرا غلام ہی تو اسکا قول قبول نہین ہوگا کیونکہ ظاہر مین یہ لقیط آزاد ہی لیکن اگر مدعی اپنے گواہ قائم کرے کہ یہ میرا غلام ہی تو گواہ قبول ہونگے۔ فان ادعی عبدانہ ابنہ ثبت نسبہ منہ لانہ ینفعہ وکان حرا لان الملوک قد تملک الحرۃ فلا تبطل الحریۃ الظاہرۃ بالشک۔ اور اگر کسی غلام نے دعوی کیا کہ یہ لقیط میرا بیٹا ہی تو لقیط کا نسب اس غلام سے ثابت ہوجائیگا کیونکہ یہ لقیط کے واسطے نافع ہی لیکن لقیط آزاد قرار پاویگا کیونکہ کبھی آزاد عورت بھی مملوک کے واسطے بچہ جنتی ہی تو لقیط کی ظاہری آزادی بوجہ شک کے باطل نہوگی۔ والحر فی دعوۃ اللقیط اولی من العبد والمسلم اولی من الذمی ترجیحا لما ہو الانظر فی حقہ۔ لقیط کے نسب کا دعوی کرنے مین اگر غلام و آزاد جمع ہون تو غلام سے آزاد بہتر ہی یعنے آزاد سے ثابت کیا جائیگا اور غلام کا دعوی رد کردیا جائیگا اور اسی طرح ذمی سے مسلمان بہتر ہی کیونکہ لقیط کے حق مین جو امر بہتر ہی اسی کو ترجیح ہوگی۔ وان وجد مع اللقیط مال مشدود علیہ فہو لہ اعتبارا للظاہر وکذا اذا کان مشدودا علی دابۃ وہو علیہا لما ذکرنا ثم یصرفہ الواجد الیہ بامر القاضی لانہ مال ضائع وللقاضی ولایۃ صرف مثلہ الیہ وقیل یصرفہ بغیر امر القاضی لانہ اللقیط ظاہرا۔ اگر لقیط کے ساتھ مین لقیط پر بندھا ہوا کچھ مال پایا گیا تو وہ لقیط کا ہی یہ حکم بنظر ظاہر ہی اور اسی طرح اگر یہ مال ایسے جانور پر بندھا ہو جسپر لقیط پایا گیا ہی تو بھی یہ لقیط کا مال ہوگا کیونکہ ظاہر اسی کے واسطے شاہد ہی پھر جس شخص نے پایا ہی وہ اس مال کو قاضی کے حکم سے لقیط پر صرف کردے کیونکہ اس

Marfat.com

مال کا کوئی مالک و حافظ نہین پایا جاتا اور ایسا مال لقیط پر صرف کرنے کی ولایت قاضی کو حاصل ہی اور بعض نے کہا کہ بغیر حکم قاضی کے صرف کردے کیونکہ بظاہر وہ لقیط کا مال ہی۔ وله ولایة الانفاق وشراء ما لابد له منه کالطعام والکسوة لانه من الانفاق له۔ اور ملتقط کو یہ ولایت حاصل ہی کہ لقیط پر بطور نفقہ خرچ کرے اور جو چیز کہ لقیط کے واسطے ضروری ہو اسکو لقیط کے واسطے خریدے جیسے طعام ولباس کیونکہ یہ لقیط کے واسطے انفاق ہی۔ ولا یجوز تزویج الملتقط لعدم سبب الولایة من القرابة والملک والسلطنة۔ اور ملتقط کا نکاح کردینا جائز نہین ہی کیونکہ ولی ہونے کا سبب کہ قرابت وملکیت وسلطنت ہی یہان ندارد ہی ف تو ملتقط نے بغیر ولی ہونے کے لقیط کا نکاح کیا پس یہ نہین جائز ہی۔ قال ولا تصرفه فی مال اللقیط اعتبارا بالام وهذا لان ولایة التصرف لتثمیر المال وذلک تحقق بالرای الکامل والشفقة الوافرة والموجود فی کل واحد منهما احدهما۔ اور ملتقط کا تصرف کرنا لقیط کے مال مین بقیاس ماں کے نہین جائز ہی اور یہ اسوجہ سے ہی کہ تصرف کی ولایت اس غرض سے ہوتی ہی کہ مال کی بڑھاور ہو اور مال کی بڑھاور کرنا دو باتون سے ہوتا ہی ایکیہ کہ رائے کامل ہو اور دوم یہ کہ شفقت وافر ہو حالانکہ ملتقط اور ماں مین ہر ایک مین صرف ایک بات موجود ہی ف یعنی صغیر کی ماں مین اگرچہ شفقت ہی لیکن رائے ناقص ہی اسی طرح لقیط کے ملتقط مین اگرچہ رائے کامل ہی لیکن شفقت وافر نہین ہی لہذا وہ لقیط کے مال مین خرید فروخت وغیرہ کا تجارتی تصرف نہین کرسکتا۔ قال ویجوز ان یقبض له الهبة لانه نفع محض ولهذا یملکه الصغیر بنفسه اذا کان عاقلا ویملکه الام ووصیها۔ اور ملتقط کے واسطے لقیط کے لیے ہبہ پر قبضہ کرنا جائز ہی کیونکہ یہ محض نفع ہی اسی واسطے صغیر بذات خود قبضہ کرسکتا ہی بشرطیکہ عاقل ہو اور صغیر کی ماں کو اور ماں کے وصی کو بھی یہ اختیار ہوتا ہی۔ قال ویسلمه فی صناعة لانه من باب تثقیفه وحفظ حاله۔ اور ملتقط کو اختیار ہی کہ لقیط کو کوئی پیشہ وہنر سیکھنے مین سپرد کرے کیونکہ یہ اسکی درستی وحفظ حال کی قسم سے ہی۔ قال ویواجره قال العبد الضعیف وهذا روایة القدوری رح فی مختصره وفی الجامع الصغیر لا یجوز ان یواجره ذکره فی الکراهیة وهو الاصح وجه الاول انه یرجع الی تثقیفه ووجه الثانی انه لا یملک اتلاف منافعه فاشبه العم بخلاف الام لانها تملکه علی ما ذکره فی الکراهیة ان شاء الله تعالی۔ اور ملتقط کو اختیار ہی کہ لقیط کو اجارہ پر دیدے۔ شیخ مصنف نے کہا کہ یہ قدوری نے اپنے مختصر مین روایت کیا اور جامع صغیر مین مذکور ہی کہ ملتقط کو جائز نہین ہی کہ لقیط کو اجارہ پر دے یہ کتاب الکراہیت مین مذکور ہی اور یہی قول اصح ہی اور یہ روایت قدوری کی وجہ یہ ہی کہ اجارہ دینے کا مرجع لقیط کی درستی ہی اور روایت جامع صغیر کی وجہ یہ ہی کہ ملتقط کو اسکے منافع تلف کرنے کا اختیار نہین ہی تو وہ چچا کے مشابہ ہوگیا یعنے جیسے چچا کو اختیار نہین کہ اپنے صغیر بھتیجے کو اجارہ پر دے اسی طرح ملتقط کو لقیط کے حق مین اختیار نہین ہی برخلاف ماں کے کیونکہ ماں کو اختیار ہی کہ اپنے صغیر بچہ کو اجارہ پر دے چنانچہ کتاب الکراہیت مین اسکو انشاء اللہ تعالی ہم ذکر کرینگے۔

کتاب اللقطة

یہ کتاب لقطہ کے بیان مین ہی۔ لقطہ وہ مال ہی جو راستہ وغیرہ مین پڑا ہوا اٹھا لیا جاوے۔ قال اللقطة امانة اذا اشهد الملتقط انه یاخذها لیحفظها ویردها علی صاحبها لان الاخذ علی هذا الوجه ماذون فیه شرعا بل هو الافضل عند عامة العلماء وهو الواجب اذا خاف الضیاع علی ما قالوا واذا کان کذلک لا تکون مضمونة علیه وکذلک اذا تصادقا انه اخذها للمالک لان تصادقهما حجة فی حقهما فصار کالبینة ولو اقر انه اخذه لنفسه

Marfat.com

یضمن بالاجماع لانہ اخذ مال غیرہ بغیر اذنہ وبغیر اذن الشرع وان لم یشہد الشہود علیہ وقال الاخذ اخذتہ للمالک وکذبہ المالک لضمن عند ابی حنیفۃ رح وقال ابو یوسف رح لا یضمن والقول قولہ لان الظاہر شاہد لہ لاختیارہ الخیر دون المعصیۃ ولہما انہ اقر بسبب الضمان وہو اخذ مال الغیر وادعی ما یبرئہ وہو الاخذ للمالک وفیہ وقع الشک فلا یبرأ وما ذکر من الظاہر یعارضہ مثلہ لان الظاہر ان یکون المتصرف عاملا لنفسہ ویکفیہ فی الاشہاد ان یقول من سمعتموہ ینشد لقطۃ قد لوہ علی واحدۃ کانت اللقطۃ او اکثر لان اسم جنس۔ جس شخص نے مال لقطہ اُٹھایا وہ اُسکے پاس امانت ہی بشرطیکہ ملتقط نے گواہ کرلیے ہون کہ مین اسکو اسواسطے لیتا ہون تاکہ اسکی حفاظت کرون اور اسکے مالک کو واپس کردون کیونکہ ایسے طور پر اُٹھا لینے کی شرعًا اجازت ہی (کیونکہ حدیث مین ہی کہ جو شخص لقطہ پاوے وہ دو عادل گواہ کرلے۔ رواہ اسحاق۔ ع م) بلکہ عامۂ علما کے نزدیک چھوڑنے سے اُٹھا لینا بہتر ہی بلکہ ہمارے مشائخ نے کہا کہ جب ضایع ہوجانے کا خوف ہو تو لے لینا واجب ہی۔ (جیسے مثلاً بکری ہو جسکی نسبت خوف ہو کہ بھیڑیا کھا جائیگا) اور جب یہ حال ہی تو وہ اُٹھانے والے کے ذمے ضمانت نہوگا (حتی کہ اگر ضایع ہوجاوے تو ضامن نہین ہی) اور اسی طرح اگر مالک نے ملتقط کی تصدیق کی کہ اسنے مالک کو پہونچانے کے لیے اُٹھایا تھا تو بھی امانت ہی کیونکہ ان دونون کا باہمی تصدیق کرنا ان دونون کے حق مین حجت ہی تو گواہی کے مانند ہوگیا اور اگر ملتقط نے اقرار کیا کہ مین نے اپنے واسطے لیا تھا تو بالاجماع ضامن ہوگا کیونکہ اُسنے غیر کا مال بغیر اُسکی اجازت اور بغیر شرعی اجازت کے لے لیا اور اگر ملتقط نے اُٹھاتے وقت گواہ نہین کیے پھر کہا کہ مین نے مالک کے واسطے اُٹھایا تھا اور مالک نے اُسکو جھٹلایا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضامن ہوگا اور ابو یوسف نے کہا کہ ضامن نہوگا اور اُسی کا قول قبول ہوگا کیونکہ ظاہر حال اسی کے واسطے شاہد ہی کیونکہ اُسنے کار نیک اختیار کیا نہ بدکاری (یہی قول مالک و شافعی و احمد ہی) اور امام ابو حنیفہ و محمد کی دلیل یہ ہی کہ اُسنے سبب ضمان یعنی مال غیر لینے کا اقرار کیا پھر ایسی بات کا دعوی کیا جس سے وہ تاوان سے بری ہو لینے مین نے اس مال کو اُسکے مالک کے واسطے لیا تھا پس اسمین شک پیدا ہوگیا تو اُسکے اقرار سے جو تاوان اُسپر یقینی ہوگیا تھا وہ شک کی وجہ سے بری نہوگا اور ابو یوسف نے جو ظاہر حالت کا ذکر کیا تو ویسی ہی ظاہر حالت اسکی معارض موجود ہی یعنے بظاہر جو شخص کام کرتا ہی وہ اپنی ذات کے واسطے کرتا ہی اور واضح ہو کہ ملتقط کے واسطے گواہ کرنے مین اسقدر کافی ہی کہ اُسنے کہے کہ تم جس شخص کو سنو کہ وہ اپنے لقطہ کے واسطے پکارتا ہی تو اُسکو میری طرف راستہ بتلا دینا اور یہی واضح ہو کہ یہ حکم عام ہی خواہ لقطہ ایک ہو یا زیادہ ہون کیونکہ لقطہ اسم جنس ہی ف ملتقط کو چاہیے کہ اُسکی شناخت کرادے۔ قال فان کانت اقل من عشرۃ دراہم عرفہا ایاما وان کانت عشرۃ فصاعدا عرفہا حولا قال العبد الضعیف وہذہ روایۃ عن ابی حنیفۃ رح وقولہ ایاما معناہ علی حسب ما یری الامام وقدرہ ومحمد رح فی الاصل بالحول عن غیر تفصیل بین القلیل والکثیر وہو قول مالک والشافعی رح لقولہ علیہ السلام من التقط شیأ فلیعرفہ سنۃ من غیر فصل وجہ الاول ان التقدیر بالحول ورد فی لقطۃ کانت مائۃ دینار تساوی الف درہم والعشرۃ وما فوقہا فی معنی الالف فی تعلق القطع بہ فی السرقۃ وتعلق استحلال الفرج بہ ولیست فی معناہا فی حق تعلق الزکوۃ فاوجبنا التعریف بالحول احتیاطا وما دون العشرۃ لیس فی معنی الالف بوجہ فوضنا الے رای المبتلی بہ فقیل الصحیح ان شیأ من ہذہ المقادیر لیس بلازم ویفوض الے رای الملتقط لیعرفہا الی ان یغلب علی ظنہ ان صاحبہا لا یطلبہا بعد ذلک ثم یتصدق بہ وان کانت اللقطۃ شیأ لا یبقی عرفہ حتی اذا خاف ان یفسد تصدق بہ وینبغی ان یعرفہا فی الموضع

الذی اصابہا وفی الجامع فان ذلک اقرب الی الوصول الی صاحبہا وان کانت شیأ یعلم ان صاحبہا لا یطلبہا کالنواۃ وقشور الرمان یکون القاؤہ اباحۃ حتی جاز الانتفاع بہ من غیر تعریف ولکنہ یبقی علی ملک مالکہ لان التملیک من المجہول لا یصح۔ پھر اگر لقطہ دس درم سے کم ہو تو چند روز اُسکی شناخت کرادے اور اگر دس درم یا زیادہ ہو تو ایک سال اُسکی شناخت کرادے شیخ مصنف نے کہا کہ یہ ابو حنیفہ سے ایک روایت ہی (اور ظاہر الروایۃ مین قلیل وکثیر سب کے واسطے ایک سال شناخت ہی ع۔) اور یہ جو کہا کہ چند روز اُسکی شناخت کرادے تو معنی یہ ہین کہ جسقدر امام کی رائے ہو اتنے دن تک شناخت کرادے اور امام محمد نے مبسوط مین ایک سال کی مقدار بیان کی بدون تفصیل قلیل وکثیر کے اور یہی مالک وشافعی کا قول ہی کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی لقطہ اُٹھاوے تو اُسکو ایک سال شناخت کرادے۔ رواہ اسحاق۔ اور اسمین قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہین اور روایت اول کی وجہ یہ ہی کہ ایک سال کی مقدار ایسے لقطہ مین وارد ہوا ہی جو سو دینار قیمتی ہزار درم کا تھا اور ہمنے دس درم واُس سے زیادہ کو بھی ہزار کے معنی مین اُس راہ سے لیا کہ دس درم چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہی اور دس درم مہر پر عورت حلال ہو جاتی ہی ولیکن زکوۃ متعلق ہونے کے حق مین دس درم یعنے ہزار درم نہین ہوتے ہین پس احتیاطاً ہمنے دس درم مین بھی ایک سال شناخت واجب کی اور جو مقدار کہ دس درم سے کم ہو وہ کسی راہ سے ہزار کے معنی مین نہین ہی تو اُسکے شناخت کا اندازہ ہمنے اُٹھانے والے کی رائے پر چھوڑا اور بعض نے فرمایا کہ صحیح یہ ہی کہ ان مدون مین کوئی مقدار لازمی نہین ہی بلکہ ملتقط کی رائے پر سپرد ہی کہ وہ برابر شناخت کرادے یہانتک کہ اُسکے غالب گمان مین یہ بات آوے کہ اب اسکے بعد اُسکا مالک تلاش نہین کریگا پھر اُسکو صدقہ کردے اور اگر لقطہ کوئی ایسی چیز ہو جو باقی نہین رہ سکتی ہی تو جتنی دیر تک ٹھہر سکے اُسکی شناخت کرادے پھر جب اُسکے بگڑ جانے کا خوف ہو تو اُسکو صدقہ کردے اور چاہیے کہ اُسکی شناخت اُس جگہ پکارے جہان پائی ہی اور ایسی جگہون مین جہان لوگون کا مجمع ہوتا ہی (جیسے بازارین ومسجدون کے دروازے وغیرہ) کیونکہ ایسا کرنے مین اُسکے مالک کو پہونچنے کی زیادہ امید ہی اور اگر لقطہ ایسی چیز ہو جسکی نسبت یہ معلوم ہی کہ اسکا مالک تلاش نہین کریگا جیسے چھوارے کی گٹھلیان وانار کے چھلکے تو اُنکا پھینکدینا مباح کرنے کے معنون مین ہی حتی کہ بغیر شناخت کیے اُس سے نفع اُٹھانا جائز ہی ولیکن وہ اپنے مالک کے ملک پر باقی رہیگی کیونکہ غیر معلوم شخص کو مالک کردینا صحیح نہین ہوتا ہی۔ قال فان جاء صاحبہا والا تصدق بہا الیعا للحق الی المستحق وہو واجب بقدر الامکان وذلک بالیصال الیہا عند۔ الظفر بصاحبہا او بالیصال الی العوض وہو الثواب علی اعتبار اجازۃ التصدق بہا وان شاء امسکہا جاز۔ الظفر بصاحبہا پھر اگر لقطہ کا مالک آیا تو اُسکو دیدے اور اگر نہ آیا تو اُسکو صدقہ کردے تاکہ مستحق کو اُسکا حق پہونچ جاوے اور یہ بقدر امکان واجب ہی تو اسطرح کہ بعینہ لقطہ دیدے جبکہ اُسکا مالک ملجاوے یا اُسکا عوض یعنی ثواب پہونچادے بشرطیکہ مالک کی طرف سے اجازت معتبر رہے اور چاہے اُسکو اپنے پاس رکھے اس امید پر کہ شاید اُسکا مالک آجاوے۔ قال فان جاء صاحبہا یعنی بعد التصدق بہا فہو بالخیار ان شاء امضی الصدقۃ وله ثوابہا لان التصدق وان حصل باذن الشرع لم یحصل باذنہ فیتوقف علی اجازتہ والملک یثبت للفقیر قبل الاجازۃ فلا یتوقف علی قیام المحل بخلاف بیع الفضولی لشبوتہ بعد الاجازۃ فیہ وان شاء ضمن الملتقط لانہ سلم مالہ الی غیرہ بغیر اذنہ الا انہ اباحۃ من جہۃ الشرع وہذا لانیافی الضمان حقا للعبد کما فی تناول مال الغیر حالۃ المخمصۃ وان شاء ضمن المسکین اذا ہلک فی یدہ لانہ قبض مالہ بغیر اذنہ وان کان قائما اخذہ لانہ وجد عین مالہ۔ پھر اگر لقطہ کا مالک ایسی حالت مین آیا کہ ملتقط اُسکو صدقہ کرچکا ہو تو مالک کو اختیار ہی کہ چاہے صدقہ کو جائز رکھے اور مالک کو اُسکا ثواب

Marfat.com

لیگا کیونکہ صدقہ دینا اگرچہ باجازت شرع ہوا مگر مالک کی اجازت نہین پائی گئی اور فقیر کی ملکیت اُسکی اجازت سے پہلے ثابت ہوگئی تو محل صدقہ قائم ہونے پر موقوف نہین رہیگی بخلاف بیع فضولی کے کیونکہ ملک اجازت کے بعد ثابت ہوتی ہی اور اگر مالک چاہے تو ملتقط سے اپنا تاوان لے لے کیونکہ ملتقط نے بغیر اُسکی اجازت کے اُسکا مال فقیر کو دیدیا اگر شرع کی جانب سے مباح ہوکر ایسا کیا ہی اور شرعی اجازت ہونا بنظر بندہ کے حق کے تاوان لازم ہونے کو سنا... نہین ہی جیسے اضطرار و مخمصہ کی حالت مین غیر کا مال کھالینا شرعاً مباح ہی مگر اس شرط سے کہ مالک کو اُسکا تاوان دیدے اور لقطہ کے مالک کو یہ بھی اختیار ہی کہ چاہے فقیر سے اپنا تاوان لے لے جبکہ فقیر کے پاس وہ مال تلف ہوگیا ہو کیونکہ فقیر نے اُسکے مال پر بغیر اُسکی اجازت کے اُسپر قبضہ کیا اور اگر فقیر کے پاس قائم ہو تو وہ اپنا مال لے لے کیونکہ اُسنے اپنا عین مال پایا۔ قال ویجوز الالتقاط فی الشاۃ والبقر والبعیر وقال مالک والشافعی رح اذا وجد البعیر والبقر فی الصحراء فالترک افضل وعلی ہذا الخلاف الفرس لہما ان الاصل فی اخذ مال الغیر الحرمۃ والاباحۃ مخافۃ الضیاع واذا کان معہا ما یدفع عن نفسہا یقل الضیاع ولکنہ یتوہم فیقضی بالکراہۃ والندب الی الترک ولنا انہا لقطۃ یتوہم ضیاعہا فیستحب اخذہا ولتعریفہا صیانۃ لاموال الناس کما فی الشاۃ۔ بکری اور گاے اور اونٹ کو بطور لقطہ کے پکڑلینا جائز ہی اور مالک و شافعی نے فرمایا کہ اگر اونٹ و گاے کو جنگل مین پاوے تو چھوڑ دینا افضل ہی۔ (اور یہی قول احمد ہی) اور یہی اختلاف گھوڑے مین ہی اور مالک و شافعی کی دلیل یہ ہی کہ غیر کا مال لینے مین اصل یہ کہ حرام ہی اور مباح ہونا صرف اُسکے ضایع ہونے کے خوف سے ہی اور جب لقطہ کے ساتھ ایسی چیز ہو جس سے وہ اپنی ذات سے ضرر دفع کرسکے (جیسے گاے و اونٹ مین ہی) تو ضایع ہونے کا کم خوف ہی لیکن وہم باقی ہی تو یہ حکم دیا جائیگا کہ پکڑنا مکروہ ہی اور چھوڑنا اچھا ہی اور ہماری دلیل یہ ہی کہ اونٹ اور گاے بھی ایک لقطہ ہی جسکے ضایع ہونے کا خوف ہی تو اُسکا لے لینا اور شناخت کرانا مستحب ہی تاکہ لوگون کے مال محفوظ رہین جیسے بکری مین حکم ہی ف ولیکن حدیث زید ابن خالد مین ہی کہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لقطہ دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک سال شناخت کر پھر اُسنے پوچھا کہ بھٹکی ہوئی بکری کا کیا حکم ہی تو فرمایا کہ اُسکو پکڑلے وہ تیری ہی یا تیرے بھائی کی ہی یعنے اصلی مالک کی ہی یا بھیڑیے کی ہی اب پھر اُسنے پوچھا کہ یا رسول اللہ بھٹکے ہوے اونٹ کا کیا حکم ہی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غصہ ہوگئے یہانتک کہ آپ کے رخسار مبارک سرخ ہوگئے اور فرمایا کہ تیرا اُس سے کیا تعلق ہی کہ اُسکے ساتھ اُسکا خفاف و سقاء خود موجود ہی یہانتک کہ اُسکا مالک اُسکو پاوے۔ رواہ البخاری۔ اسکا جواب یہ ہی کہ یہ حکم آپ نے ایسی صورت مین فرمایا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خوف نہ تھا پس جب خوف ہو تو اُسکا پکڑلینا اولی ہی۔ فان النفق الملتقط علیہا بغیر اذن الحاکم فہو متبرع لقصور ولایتہ عن ذمۃ المالک و ان النفق بامرہ کان ذلک دینا علی صاحبہا لان للقاضی ولایۃ فی مال الغائب نظرا لہ وقد یکون النظر فی الانفاق علی ما بینہ۔ پھر اگر ملتقط نے اس جانور لقطہ کو بغیر حکم قاضی کے نفقہ دیا یعنی دانہ چارہ دیا تو وہ احسان کرنے والا ہوگا اسواسطے کہ مالک کے ذمہ سے اُسکی ولایت قاصر ہی اور اگر قاضی کے حکم سے اُسکو نفقہ دیا ہو تو وہ جانور کے مالک پر قرضہ ہوگا کیونکہ غائب کے مال مین اُسکی بہتری کی نظر سے قاضی کو ولایت حاصل ہوتی ہی اور غائب کی بھلائی کبھی اُسکے جانور کو نفقہ دینے مین ہوتی ہی چنانچہ ہم اُسکو بیان کرینگے۔ واذا رفع ذلک الی الحاکم نظر فیہ فان کان للہبۃ منفعۃ اجرہا وانفق علیہا من اجرتہا لان فیہ ابقاء العین علی ملکہ من غیر الزام الدین علیہ وکذلک یفعل بالعبد الابق۔ اور جب لقطہ جانور کا معاملہ حاکم کے پاس پیش کیا جاے تو وہ اُسکو دیکھے پس

Marfat.com

اگر اس جانور کی کوئی منفعت ہو تو اُسکو کرایہ پر دیدے اور اُسکے کرایہ سے اُسکا دانہ چارہ دے کیونکہ ایسا کرنے مین مالک کا مال عین اُسکے ملک پر باقی رہیگا بغیر اسکے کہ مالک پر قرضہ چڑھے اور بھاگے ہوے غلام کے حق مین بھی قاضی ایسا ہی کریگا ف یعنی اگر کسی کا غلام بھاگ گیا اور دوسرے شہر مین اُسکو کسی نے پکڑا پس اگر بغیر حکم قاضی اُسکو نفقہ دے تو یہ احسان ہی یعنے مالک پر یہ قرضہ لازم نہوگا اور اگر قاضی کے پاس پیش کیا تو قاضی اُسکو دیکھے کہ اگر غلام کوئی ہنر ایسا آتا ہی جو مزدوری مین قبول کیا جائے تو اجرت پر دیکر اُسکی مزدوری سے اُسکو نفقہ دے جیسے جانور کی صورت مین بیان ہوا۔ وان لم یکن لہا منفعۃ وخاف ان تستغرق النفقۃ قیمتہا باعہا وامر بحفظ ثمنہا البقاء لہ معنی عند تعذر البقائہ صورۃ۔ اور اگر اس لقطہ جانور کی کوئی منفعت نہو مثلاً بے دودھ کی بکری ہی اور قاضی کو خوف ہوا کہ نفقہ اسکی تمام قیمت کو گھیر لیگا تو اُسکو فروخت کرکے اُسکے دام رکھ چھوڑنے کا حکم کرے تاکہ من حیث المعنی باقی رہے جبکہ من حیث الصورت رکھنا متعذر ہی ف یعنی اُسکی مالیت باقی رہے جبکہ بعینہ باقی نہین رہ سکتی ہی اور یہ اُسوقت کہ اُسکا فروخت کرنا بہتر ہو۔ وان کان الاصلح الانفاق علیہا اذن فی ذلک وجعل النفقۃ دینا علی مالکہا لانہ نصب ناظرا وفی ہذا نظر من الجانبین قالوا انما یامر بالانفاق یوما او ثلثۃ ایام علی قدر ما یری رجاء ان یظہر مالکہا فاذا لم یظہر یامر ببیعہا لان دارۃ النفقۃ مستاصلۃ فلا نظر فی الانفاق مدۃ مدیدۃ قال رحمہ اللہ فی الاصل شرط اقامۃ البینۃ وہو الصحیح لانہ یحتمل ان یکون غصبا فی یدہ ولا یامر فیہ بالانفاق وانما یامر بہ فی الودیعۃ فلا بد من البینۃ لکشف الحال ولیست البینۃ تقام للقضاء وان قال لا بینۃ لی یقول القاضی لہ انفق علیہ ان کنت صادقا فیما قلت حتی ترجع علی المالک ان کان صادقا ولا ترجع ان کان غاصبا وقولہ فی الکتاب وجعل النفقۃ دینا علی صاحبہا اشارۃ الی انہ انما یرجع علی المالک بعد ما حضر ولم یرجع للقطۃ اذا شرط القاضی الرجوع علی المالک وہذہ الروایۃ ہو الاصح۔ اور اگر حاکم کے نزدیک بہتر یہ ہو کہ اس جانور کو نفقہ دیا جائے تو ملتقط کو اسکی اجازت دیدے اور جانور کے مالک پر قرضہ قرار دے کیونکہ حاکم تو نگاہ رکھنے والا قرار دیا گیا ہی اور ایسا کرنے مین دونون کے حق مین بہتری کی نگاہ ہی اور مشائخ نے فرمایا کہ صرف دو یا تین دن جسقدر اُسکی راے مین آوے ملتقط کو دانہ چارہ دینے کا حکم دے اس امید پر کہ شاید اُسکا مالک ظاہر ہو پھر جب ظاہر نہو تو اس جانور کو فروخت کرنے کا حکم دے کیونکہ برابر نفقہ جاری رکھنا اس جانور کو کھو دیگا تو مدت دراز تک نفقہ دینے مین کوئی بہتری کی نظر نہین ہی اور مصنف نے فرمایا کہ امام محمد نے مبسوط مین خرط لگائی کہ نفقہ کا حکم اُسوقت دیگا کہ ملتقط گواہ قائم کرے اور یہی قول صحیح ہی کیونکہ احتمال ہی کہ شاید یہ جانور اُسکے قبضہ مین غصب ہو حالانکہ غصب کی صورت مین قاضی نفقہ دینے کا حکم نہین کریگا بلکہ صرف امانت کی صورت مین یہ حکم کریگا تو گواہی ضرور ہی تاکہ حال کھلے اور یہ گواہی کچھ اسواسطے نہین ہی کہ حکم قاضی ثابت ہو (جسمین مدعا علیہ منکر کی ضرورت ہی) اور اگر ملتقط نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہین ہین تو قاضی اُسکو کہیگا کہ اگر تو اپنے قول مین سچا ہی تو اُسکو دانہ چارہ دے پس اگر سچا ہوگا تو مالک سے یہ خرچہ واپس لیگا اور اگر غاصب ہوگا تو نہین واپس لیگا اور کتاب مین جو یہ فرمایا کہ قاضی یہ نفقہ اُسکے مالک پر قرضہ قرار دے تو اس قول مین اشارہ ہی کہ ملتقط جب حاضر ہوا اور لقطہ فروخت نہ کیا گیا اور قاضی نے نفقہ کا حکم دیا تو ملتقط اپنا خرچہ مالک جانور سے جبھی واپس لے سکتا ہی کہ قاضی نے بطور قرضہ کے مالک سے واپس لینے کی شرط کردی ہو اور یہی روایت اصح ہی ف اور اگر صرف نفقہ دینے کا حکم کیا اور مالک پر قرضہ نہ ٹھہرایا تو واپس نہین لے سکتا ہی۔ قال فاذا حضر یعنی المالک فللملتقط ان یمنعہا منہ حتی یحبس النفقۃ لانہ یحبس بنفقۃ فصار کانہ استفاد الملک من جہۃ فاشبہ المبیع واقرب من ذلک

را دالابق فان له الحبس لاستیفاء الجعل لما ذکرنا ثم لایسقط دین النفقة بهلاکه فی ید الملتقط قبل الحبس ویسقط اذا هلک بعد الحبس لانه یصیر بالحبس کشبیه الرهن - پھر اس طرح حکم قاضی کے بعد جب مالک حاضر ہو تو ملتقط کو اختیار ہی کہ لقطہ اسکو دینے سے روکے یہانتک کہ وہ ملتقط کا نفقہ حاضر کرے کیونکہ اُسکے نفقہ سے لقطہ زندہ رہا تو گویا ملتقط نے مالک کی جانب سے لقطہ حاصل کی پس مبیع کے مشابہ ہوگیا (یعنے گویا لقطہ بقدر نفقہ کے بیع ہی) اور اس سے بہت قریب وہ شخص ہی جو بھاگے ہوے غلام کو پھیرلایا کیونکہ اُسکو بھی غلام روک لینے کا اختیار ہی تاکہ اپنا جعل حاصل کرے اور اسکی وجہ یہی ہی جو مذکور ہوئی پھر اگر روکنے سے پہلے ملتقط کے قبضہ مین ال لقطہ تلف ہوگیا تو اسکا قرضہ نفقہ ساقط نہوگا اور اگر روکنے کے بعد تلف ہوا تو ساقط ہوجائیگا کیونکہ روکنے سے وہ رہن کے مشابہ ہوگیا تلف اور مال مرہون جب مرتہن کے پاس تلف ہوتا ہی تو قرضہ کے عوض تلف ہوتا ہی - قال ولقطة الحل والحرم سواء وقال الشافعی یجب التعریف فی لقطة الحرم لانه یحکی صاحبها لقوله علیه السلام فی الحرم ولا یحل لقطتها الا لمنشد یا ولنا قوله علیه السلام اعرف عفاصها ووکاءها ثم عرفها سنة من غیر فصل ولانها لقطة وفی التصدق بعد مدة التعریف ابقاء ملک المالک من وجه فیملکه کما فی سائر ها وتاویل ماروی انه لایحل الالتقاط الا للتعریف والتخصیص بالحرم لبیان انه لایسقط التعریف فیه لمکان انه للتغریر ظاہرا اور حرم مکہ کا لقطہ اور اُسکے باہر حل کا لقطہ دونون یکسان ہین اور شافعی نے فرمایا کہ حرم کے لقطہ شناخت کرانا یہانتک واجب ہی کہ اُسکا مالک آجاوے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حرم کے بارہ مین فرمایا کہ اور اسکا لقطہ نہین حلال ہی مگر اُس شخص کے واسطے جو اس لقطہ کو شناخت کراوے - رواہ البخاری ومسلم - اور ہماری دلیل یہ ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لقطہ اُٹھانے والے کو فرمایا کہ تو اسکا ظرف اور اسکی بندش محفوظ کرلے پھر اسکو ایک سال تک پکار دے - رواہ الستہ - حالانکہ کوئی تفصیل حل وحرم کی نہین فرمائی اور اس دلیل سے لقطہ حرم بھی ایک لقطہ ہی اور شناخت پکارلے کی مدت کے بعد صدقہ کرنے مین ایک طرح کی ملک اُسکے مالک کے واسطے باقی رکھنا ہوتا ہی تو دوسرے لقطون کی طرح اسمین بھی مالک ہوجائیگا اور جو حدیث شافعی نے روایت کی اُسکے معنے یہ ہین کہ اُسکا لقطہ اُٹھانا حلال نہین ہی مگر وہی شخص اُٹھاوے جو اُسکو شناخت کراوے اور حرم کی تخصیص صرف اس امر کو ظاہر کرنے کے واسطے ہی کہ حرم کے لقطہ مین بھی شناخت کرانا ساقط نہوگا اس وہم سے کہ بظاہر یہ مسافرون کا مقام ہی فلعینی یہان حج کرنے والے دور سے آتے ہین تو ظاہر اکسی مسافر کا مال گرگیا لیکن پکارنے وشناخت کرانے مین کچھ فائدہ نہین کیونکہ اُسکا لوٹنا معلوم پس حدیث سے حکم دیدیا کہ یہ وہم ساقط ہی اور پکارنا واجب ہی لیکن ظاہر حدیث کا سیاق یہ ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز خطبہ بلیغ ارشاد فرمایا جسمین مذکور ہی کہ یہ شہر وہ ہی جسکو اللہ عزوجل نے آسمان وزمین کی پیدائش کے روز حرام کردیا پس وہ اللہ تعالے کی حرمت سے قیامت تک حرام ہی اُسکے کانٹے نہ کاٹے جاوین اور اُسکا شکار نہ بھڑکایا جاوے اور اسکا لقطہ نہ اُٹھاوے مگر وہ شخص جو اُسکی شناخت کراوے - الحدیث اور ابو ہریرہ کی روایت مین ہی کہ اُسکا لقطہ حلال نہین ہی مگر اُس شخص کو جو اُسکی شناخت کراوے - رواہ البخاری و مسلم - واذا حضر رجل فادعی اللقطة لم تدفع الیه حتی یقیم البینة فان اعطی علامتها حل للملتقط ان یدفعها الیه ولا یجبر علی ذلک فی القضاء وقال مالک والشافعی یجبر والعلامة مثل ان یسمی وزن الدراهم وعددها ووکاءها ووعاءها لهما ان صاحب الید ینازعه فی الید ولا ینازعه فی الملک فیشترط الوصف لوجود المنازعة من وجه ولا تشترط اقامة البینة لعدم المنازعة من وجه ولنا ان الید حق مقصود کالملک فلا یستحق الا بحجة و

ہو البینۃ اعتبارا بالملک الا انہ یحل لہ الدفع عند اصابۃ العلامۃ لقولہ علیہ السلام فان جاء صاحبہا وعرف عفاصہا وعددہا فادفعہا الیہ وہذا للاباحۃ عملا بالمشہور وہو قولہ علیہ السلام البینۃ علی المدعی الحدیث اور جب کسی شخص نے حاضر ہوکر لقطہ کا دعوی کیا تو اُسکو نہ دیا جائیگا یہانتک کہ گواہ قائم کرے پھر اگر اُسنے کوئی علامت بیان کی تو لمنقط کو حلال ہی کہ اُسکو دیدے لیکن قاضی دینے پر مجبور نہین کریگا اور امام مالک و شافعی نے کہا کہ مجبور کریگا اور علامت بتلانے کی مثال یہ ہی کہ دربون کا وزن و شمار اور ظرف کی شکل اور گرہ کی ہیئت بیان کرے اور مالک و شافعی کی دلیل یہ ہی کہ لمنقط اُسکے ساتھ قبضہ مین جھگڑا کرتا ہی اور ملکیت مین جھگڑا نہین کرتا ہی تو وصف لقطہ شرط ہی کیونکہ ایک راہ سے جھگڑا ہی اور گواہ قائم کرنا شرط نہین ہی کیونکہ ایک راہ سے جھگڑا نہین ہی (یعنے جب لمنقط کو ملکیت مین دعوی نہین ہی بلکہ صرف قبضہ کا دعوی ہی تو گواہون کی ضرورت نہین بلکہ مالک اپنے لقطہ کی شناخت بیان کردے پس حاکم دیدینے پر مجبور کریگا اور ہماری دلیل یہ ہی کہ قبضہ بھی مثل ملک کے ایک حق مقصود ہی تو مدعی بدون حجت کے اسکا مستحق نہوگا اور حجت یہان گواہی ہی بقیاس ملک کے (تو بدون گواہی کے اُسپر دینا لازم نہین) لیکن جسوقت علامت ٹھیک بیان کردے تو لمنقط کو مالک کے حوالہ کردینا جائز ہی کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اگر اُسکا مالک آوے اور اُسکے ظرف و شمار کو بتلادے تو اُسکو دیدے - رواہ مسلم و ابوداؤد و النسائی - اور یہ حکم نطبو ا باحت ہی یعنی اُسکو دینا مباح ہی اور لازم نہین ہی تاکہ حدیث مشہور پر عمل باقی رہے اور حدیث مشہور وہ ہی جسمین بیان فرمایا کہ مدعی پر گواہ ہین اور منکر پر قسم ہی ف الحاصل اگر مالک نے گواہ قائم کیے تو قاضی بھی دینے کا حکم کریگا اور اگر فقط ٹھیک علامت بیان کی تو لمنقط مختار ہی اور اُسکو دینا مباح ہی - ویاخذہ کفیلا اذا کان یدفعہا الیہ استیثاقا وہذا بلا خلاف لانہ یاخذ الکفیل لنفسہ بخلاف التکفیل لوارث غائب عندہ واذا صدقہ قیل لا یجبر علی الدفع کالوکیل بقبض الودیعۃ اذا صدقہ وقیل یجبر لان المالک ہہنا غیر ظاہر والمودع المالک ظاہرا - اور مالک لقطہ سے ایک کفیل لے یعنی جب اُسکو لقطہ دے تو اُسوقت مضبوطی کے واسطے کفیل لے لے اور اسمین کچھ خلاف نہین ہی کیونکہ وہ اپنی ذات کے واسطے کفیل لیتا ہی بخلاف وارث غائب کے پس کفیل لینے کے کہ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہین ہی (یعنے اگر زید مرا اور اُسکی میراث اُسکے قرضخواہون و وارثون مین تقسیم کی گئی تو امام کے نزدیک قرضخواہ یا وارث سے کوئی کفیل نہین لیا جائیگا اور صاحبین کے نزدیک لیا جائیگا کہ شاید کوئی قرضخواہ یا وارث دیگر ظاہر ہو - ع -) اور اگر لمنقط نے مالک ہی کی تصدیق کی کہ تو مالک ہی تو کہا گیا کہ لقطہ دینے پر مجبور نہین کیا جائیگا جیسے ودیعت وصول کرنے کی وکیل مین جبکہ امانت دار اُسکی تصدیق کرے (یعنے مثلاً امانت دار کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ مین مالک کی طرف سے اُسکی ودیعت تجھسے واپس لینے کا وکیل ہون اور امین نے کہا کہ بیشک تو وکیل ہی تو بھی امین پر جبر نہین ہی کہ اُسکو ودیعت دیدے ع -) اور کہا گیا کہ لمنقط پر دینے کے واسطے جبر کیا جائیگا کیونکہ یہان مالک ظاہر نہین ہی اور ودیعت کا مالک ظاہر ہی ف یعنی ودیعت کی صورت مین مالک معلوم ہی اور جو شخص آیا وہ وکیل ہی تو امین کو اختیار ہی کہ وکیل کو نہ دے اور لقطہ کی صورت مین کوئی مالک ظاہر نہین ہی تو محتمل ہی کہ یہی مدعی مالک ہو اور جب لمنقط نے اقرار کرلیا تو لمنقط پر اُسکا حجت ہوگیا - ولا یتصدق باللقطۃ علی غنی لان المامور بہ ہو التصدق لقولہ علیہ السلام فان لم یات صاحبہا فلیتصدق بہ والصدقۃ لا یکون علی غنی فاشبہ الصدقۃ المفروضۃ - اور اگر مالک نہ ملے تو لقطہ کو کسی تونگر پر صدقہ نہ دے کیونکہ حکم تو صدقہ کردینے کا ہی اسلیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اگر مالک نہ آوے تو اُسکو صدقہ کردے - رواہ الدارقطنی - اور تونگر پر صدقہ نہین ہوتا ہی تو اسکا حکم صدقہ مفروضہ یعنی زکوہ کے

مشابہ ہوگیا۔ وان کان الملتقط غنیا لم یجزلہ ان ینتفع بہا وقال الشافعی رح یجوز لقولہ علیہ السلام فی حدیث ابی رض فان جاء صاحبہا فادفعہا الیہ والا فانتفع بہا وکان من المیاسیر ولانہ انما یباح للفقیر حملا لہ علی رفعہا صیانۃ لہا والغنی لیشارکہ فیہ ولنا انہ مال الغیر فلا یباح الانتفاع بہ الا برضاہ لاطلاق النصوص والاباحۃ للفقیر لما رویناہ او بالاجماع فیبقی ماوراءہ علی الاصل والغنی محمول علی الاخذ لاحتمال افتقارہ فی مدۃ التعریف والفقیر قد یتوانی لاحتمال استغنائہ فیہا وانتفاع ابی رض کان باذن الامام وہو جائز باذنہ۔ اور اگر لقطہ تونگر ہو تو اسکو لقطہ سے خود نفع اٹھانا جائز نہین اور امام شافعی نے فرمایا کہ نفع اٹھانا جائز ہی کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث مین فرمایا کہ اگر اس لقطہ کا مالک آجائے تو اسکو دیدے ورنہ خود اُس سے نفع حاصل کر۔ رواہ البخاری ومسلم وغیرہما۔ حالانکہ ابن کعب رضی اللہ عنہ تونگر صحابہ مین سے تھے اور دوسری دلیل یہ ہی کہ فقیر کو لقطہ اسوجہ سے مباح ہوتا ہی تاکہ لقطہ کی حفاظت کے واسطے اُٹھا لینے پر آمادہ کیا جائے اور اس معنی مین تونگر بھی اُسکا مشارک ہی یعنے جب تونگر کو اُسکے ملنے کی امید ہو جائیگی تو وہ بھی اُٹھا دیگا تاکہ سنت ضایع نہو۔ اور ہماری دلیل یہ ہی کہ لقطہ غیر کا مال ہی تو اُس سے نفع اُٹھانا بغیر اُسکی رضامندی کے مباح نہین ہی کیونکہ اطلاق آیات اور حدیث سے یہی حکم ثابت ہوتا ہی اور فقیر کے واسطے مباح ہونا اسوجہ سے کہ صدقہ کرنے کا حکم ہی یعنے یہ فقیر بھی محل صدقہ ہی اور اسوجہ سے کہ فقیر لقطہ کے واسطے بالاجماع حلال ہی تو فقیر کے سوائے جو کوئی رہا وہ اصلی حکم پر رہا یعنے اُسکو غیر کا مال بغیر اجازت کے حلال نہین ہی۔ اور غنی کو اُسکے اُٹھا لینے پر اسواسطے آمادگی ہوگی کہ شاید وہ سال بھر کی مدت مین جبتک شناخت کرائی جاتی ہی محتاج ہو جائے اور فقیر بھی کبھی سستی کرتا ہی اس خیال سے کہ شاید اتنی مدت مین تونگر ہو جائے (یعنے تونگر و فقیر دونون مین یہ احتمال قائم ہی کہ اُٹھانے مین اُسکو ملجائے) اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو نفع اُٹھانا امام کی اجازت سے تھا یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی تھی اور امام کی اجازت سے تونگر کو بھی نفع اُٹھانا جائز ہی ف یہ جواب اس بناء پر ہی کہ ابی ابن کعب تونگر تھے اور اس بناء پر ہی کہ حدیث مین یہ خطاب ابی ابن کعب کو فرمایا تھا حالانکہ ان دونون باتون مین کلام ہی کیونکہ حدیث ابوطلحہ مین ہی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون یعنے تم ابرار کے درجہ کو نہین پہونچوگے یہانتک کہ جس چیز کو محبوب رکھتے ہو اُس سے اللہ کی راہ مین خرچ کرو۔ تو ابوطلحہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کیا کہ اللہ تعالے اسطرح ارشاد فرماتا ہی اور مجھکو اپنے اموال مین سے یہ باغ بیرحاء بہت محبوب ہی پس مین آپ کو گواہ کرتا ہون کہ وہ اللہ تعالی کے واسطے صدقہ ہی اور چونکہ مین اسکو پوشیدہ نہین رکھ سکتا تھا تو حضور مین ظاہر کیا پس جو آپ کی رائے ہو وہ کیجیے آپ بہت خوش ہوے اور فرمایا کہ یہ بہت نافع مال ہی اور میری رائے یہ ہی کہ تو اسکو اپنے محتاج قرابتیون مین صدقہ کرے پس ابوطلحہ نے اُسکو ابی ابن کعب اور حسان ابن ثابت مین تقسیم کیا اور یہ حدیث صحیح مین مروی ہی پس یہ دلیل ہی کہ ابی ابن کعب محتاج تھے لیکن یہ احتمال ہی کہ شاید لقطہ کا قصہ بعد تونگری کے واقع ہوا ہو۔ ابن الہمام نے فرمایا کہ شک و احتمال کے باوجود استدلال نہین ہو سکتا علاوہ اسکے تونگری کا اطلاق ایسے شخص پر بھی ہوتا ہی جو اپنے روزینہ مین محتاج نہو اگرچہ اُسکے پاس زائد مال بقدر نصاب نہو جو زکوۃ مین تونگر ہو جائے حالانکہ لقطہ مین ایسا ہی تونگر مراد ہی جسپر زکوۃ واجب ہو پس ابی ابن کعب ایسے تونگر نہ تھے بلکہ خوشحال بمعنے اول تھے علاوہ اسکے امر دوم یہ کہ یہ خطاب ابی ابن کعب کو نہین تھا بلکہ کسی نے لقطہ کا حکم پوچھا تھا اُسکو ارشاد فرمایا مگر ابی ابن کعب نے روایت کر دیا۔ مترجم کہتا ہی کہ یہ احتمال صحیح نہین ہی کیونکہ ابی ابن کعب کا لقطہ پانا روایت ترمذی مین مصرح ہی۔ اور ابوداؤد نے روایت کی کہ حضرت علی

Marfat.com

کرم اللہ وجہہ ایک روز حضرت سیدۃ النساء کے پاس آئے تو دیکھا کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ روتے ہین پس پوچھا کہ یہ دونون کیون روتے ہین حضرت سیدہ نے کہا کہ بھوک سے روتے ہین پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ باہر گئے تو یا زار مین آپ نے ایک دینار پایا پس آپ اسکو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے اور حال بیان کیا تو آپ نے کہا کہ فلان یہودی کے پاس جاکر ہمارے واسطے آٹا لایئے جب آپ اُسکے پاس گئے تو اُسنے کہا کہ تم ان صاحب کے داماد ہو جو آپ کو پیغمبر کہتے ہین آپ نے فرمایا کہ ہان تو اُسنے کہا کہ آٹا بھی لیجاؤ اور اپنا دینار بھی لیجاؤ پھر حضرت سیدہ نے فرمایا کہ فلان قصاب کے پاس جاکر ایک درم کا گوشت لایئے پس آپ دینار کو رہن کرکے گوشت لائے اور حضرت سیدہ نے پکاکر تیار کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجکر بلوایا پس عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ قصہ واقع ہوا پس اگر یہ حلال ہو تو ہم لوگ کھائین آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالے کا نام لیکر کھاؤ پس کھانے لگے اتنے مین ایک غلام اللہ تعالے و اسلام کا واسطہ دیکر دینار پکارتا آیا پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیجکر اُسکو بلوایا تو اُسنے بیان کیا کہ بازار مین مجھسے گر گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اے علی تم قصاب کے پاس جاکر کہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تجھکو کہتے ہین کہ دینار مجھے بھیجدے اور میرا درم بھیجدی پس اُسنے بھیجدیا تو آپ نے غلام کو دیدیا - ورواہ عبدالرزاق و اسحاق والبزار و ابو یعلی - اور ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پہلے یا زار مین پکار دیا ہو پھر لاکر خرچ کیا اور صلح کی بعض روایات مین بجاے دینار کے درم ہے واللہ تعالے اعلم - وان کان الملتقط فقیرا فلا باس بان ینتفع بہا لما فیہ من تحقیق النظر من الجانبین ولہذا جاز الدفع الے فقیر غیرہ وکذا اذا کان الفقیر اباہ او ابنہ او زوجتہ وان کان ہو غنیا لما ذکرنا واللہ اعلم - اور اگر ملتقط فقیر ہو تو مضائقہ نہین کہ لقطہ سے خود نفع اُٹھاوے کیونکہ اسمین ملتقط و اصلی مالک دونون کے حق مین درحقیقت بھلائی کی نظر ہے اور اسی واسطے اپنے سوائے دوسرے فقیر کو بھی دینا جائز ہے اور اسی طرح اگر ملتقط کا باپ یا بیٹا یا زوجہ فقیر ہو تو اُسکو دینا جائز ہے اگرچہ ملتقط خود تونگر ہو کیونکہ اسمین بھی جانبین کے واسطے بہتری ہے واللہ تعالے اعلم ف فقیر کے واسطے بہتری کی نظر یہ ہے کہ اُسکو لقطہ اُٹھانے اور حفاظت و شناخت کرانے کی تکلیف مین اس لقطہ سے نفع مل گیا اور ثواب اُسکے مالک کو مل گیا

کتاب الاباق

یہ کتاب اباق کے بیان مین ہے - اباق - غلام کا اپنے مولی کے پاس سے بھاگ جانا - جعل - وہ حق مقرری جو غلام کو پکڑکر اُسکے مولی کے پاس پھیرلانے والے کے واسطے مولی پر شرعًا لازم ہے - رضخ - جو مسافت سفر سے کم دوری سے پھیرلانے والے کو دینا چاہیے جسکی مقدار جعل سے کم ہے اور کوئی مقدار خاص نہین ہے - بھگوڑے غلام کو پھیرلانے مین ثواب بھی ہے اور چاہیے کہ غلام کو پکڑتے وقت گواہ کرلے کہ مین اسکے مولی کو واپس دینے کے واسطے اسکو گرفتار کرتا ہون - الآبق اخذہ افضل فی حق من یقوی علیہ لما فیہ من احیائہ واما العمال فقد قیل کذلک وقد قیل ترکہ افضل لانہ لا یرجی مکانہ فیجدہ المالک ولا کذلک الآبق ثم اخذ الآبق یاتی بہ الے السلطان لانہ لا یقدر علی حفظہ بنفسہ بخلاف اللقطۃ ثم اذا رفع الآبق الیہ یحبسہ ولو رفع الضال لا یحبسہ لانہ لا یومن علی الآبق الاباق ثانیا بخلاف الضال - بھاگے ہوئے غلام کو پکڑلینا افضل ہے ہر ایسے شخص کے حق مین جو اُسکے پکڑنے پر قادر ہو کیونکہ اسمین غلام کے مولی کا حق زندہ کرنا ہوتا ہے (کیونکہ مولی اس غلام سے محروم ہوچکا گویا اُسکا غلام مرگیا ع -) اور رہا وہ غلام جو راہ بھول کر بھٹک گیا ہو تو اسمین دو قول ہین ایک یہ کہ اسمین بھی یہی حکم ہے یعنے اُسکا پکڑلینا افضل ہے اور دوسرا

Marfat.com

قول یہ ہی کہ اُسکا چھوڑ دینا افضل ہی کیونکہ وہ اپنی جگہ سے نہین جائیگا تو اُسکا مالک اُسکو پا جائیگا اور بھاگے ہوے غلام کا یہ حال نہین ہی پھر بھگوڑے کو پکڑنے والا اُسکو سلطان (یا نائب یا قاضی) کے پاس لاوے کیونکہ وہ بذات خود اُسکی حفاظت نہین کر سکتا ہی بخلاف لقطہ کے - پھر جب وہ بھگوڑے کو سلطان کے پاس لایا تو سلطان اُس بھگوڑے کو قید خانہ مین رکھیگا اور اگر راہ بھٹکے ہوے غلام کو لایا تو اُسکو قید نہین کریگا کیونکہ بھگوڑے سے دوبارہ بھاگنے کا خوف ہی اور راہ بھٹکے ہوے سے یہ خوف نہین ہی - قال ومن ردّ آبقا علی مولاہ من مسیرۃ ثلثۃ ایام فصاعدا فلہ علیہ جعلہ اربعون درہما وان ردہ لاقل من ذلک فبحسابہ وہذا استحسان والقیاس ان لایکون لہ شئی الا بالشرط وہو قول الشافعی رح لانہ متبرع بمنافعہ فاشبہ البضع ولنا ان الصحابۃ رضوان اللہ علیہم اتفقوا علی وجوب اصل الجعل الا ان منہم من اوجب اربعین ومنہم من اوجب ما دونہا فاوجبنا الاربعین فی مسیرۃ السفر وما دونہا فیما دونہ توفیقا وتلفیقا بینہما ولان ایجاب الجعل اصلہ حامل علی الرد اذ الحسبۃ نادرۃ فتحصل صیانۃ اموال الناس والتقدیر بالسمع ولا سمع فی الضئال فامتنع ولان الحاجۃ الی صیانۃ الضئال دونہا الی صیانۃ الآبق لانہ لا یتواری والآبق یختفی ویقدر الرمح فی الرد عادۃ دون السفر باصطلاحہما ویفوض الی رای القاضی وقیل یقسم الاربعون علی الایام الثلثۃ اذ ہی اقل مدۃ السفر - اور جو شخص بھگوڑے غلام کو اُسکے مولی کے پاس تین روز کی مسافت یا زیادہ دوری سے پھیرلایا تو مولی پر اُسکے واسطے چالیس درم جعل ہی اور اگر اس سے کم مسافت سے پھیرلایا تو اُسکے حساب سے مستحق ہوگا (مثلاً ایک تہائی کی مسافت ہو تو چالیس کی ایک تہائی کا مستحق ہی) اور یہ حکم استحسان ہی اور قیاس یہ چاہتا ہی کہ پھیرلانے والے کے واسطے کچھ نہو مگر جبکہ مولی نے شرط کر دی ہو (مثلاً کہا ہو کہ جو شخص میرا غلام پھیرلاوے اُسکے واسطے اسقدر مال ہی) اور یہی شافعی کا قول ہی کیونکہ پھیرلانے والے نے اپنے کام مین یہ احسان کیا تو راہ بھولے ہوئے غلام کے مشابہ ہوگیا یعنی اگر راہ بھولے ہوے غلام کو واپس لاوے تو کچھ مستحق نہین ہی اور ہماری دلیل یہ ہی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اصل جعل واجب ہونے پر اتفاق کیا ہی صرف اتنا فرق ہی کہ بعضون نے چالیس درم واجب کیے اور بعض نے اس سے کم واجب کیے پس ہمنے دونون مین توفیق دینے کے واسطے مسافت سفر مین چالیس درم واجب کیے اور اس سے کم مین کم واجب کیے چنانچہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر شہر مین سے لایا تو دس درم اور اگر باہر سے لایا تو چالیس درم ہین اور چالیس کے آثار کو عبد الرزاق وطبرانی و ابن ابی شیبہ نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا - صف - اور دوسری دلیل یہ ہی کہ جعل واجب ہونا در اصل پھیرلانے پر آمادہ کرنے والا ہی کیونکہ خالی ثواب پر یہ کام کرتا نادر ہی پس جعل واجب ہونے سے لوگون کے اموال محفوظ ہونگے اور اسکی مقدار معین کرنا صرف روایت کے سننے پر ہی جو بھاگے ہوے غلام مین معلوم ہوئی اور راہ بھولے ہوے غلام مین کچھ منقول نہین ہی تو اسمین مقدار مقرر کرنا ممتنع ہی اور اسواسطے کہ راہ بھولے ہوے کی حفاظت کی حاجت بھاگے ہوے سے کم ہی کیونکہ راہ بھولا ہوا روپوش نہین ہوتا اور بھاگا ہوا چھپتا ہی اور جب سفر سے کم مسافت پر پھیرلایا تو مال دونون کی رضامندی پر ہی یا قاضی کی رائے پر ہی (اور مشائخ نے کہا کہ قاضی کی رائے پر ہونا اشبہ ہی صف) اور کہا گیا کہ چالیس درم کو تین دن پر تقسیم کیا جائے کیونکہ یہی کمتر مدت سفر ہی فـ پس جتنی مسافت ہو اُسی حساب سے دیا جائے - قال وان کانت قیمتہ اقل من اربعین لیقضی لہ بقیمتہ الا درہما قال رض وہذا قول محمد رح وقال ابو یوسف رح لہ اربعون درہما لان التقدیر بہا ثبت بالنص فلا ینقص عنہا ولہذا لا یجوز الصلح علی الزیادۃ بخلاف الصلح علی الاقل لانہ حط منہ ومحمد رح ان المقصود حمل الغیر

علی الرد بحیلی بال المالک فینقص درہم لیسلم لہ شیء تحقیقا للفائدۃ واما ام الولد والمدبر فی ہذا بمنزلۃ القن اذا کان الرد فی حیوۃ المولے لما فیہ من احیاء ملکہ ولو رد بعد مماتہ لاجبل فیہما لانہما یعتقان بالموت بخلاف القن ولو کان الرد بالمولے او ابنہ وہو فی عیالہ او احد الزوجین علی الآخر فلا جعل لان ہؤلاء یتبرعون بالرد عادۃ ولا تبنا ولہم اطلاق الکتاب - اور اگر اس غلام کی قیمت چالیس سے کم ہو تو پھیرلانے والے کو اسکے غلام کی قیمت کا ایک درم کم کرکے حکم دیا جائیگا شیخ مصنف نے فرمایا کہ یہ امام محمد کا قول ہی اور ابو یوسف نے فرمایا کہ لانے والے کے لیے چالیس درم کا حکم ہوگا کیونکہ یہ اندازہ بنص حدیث ثابت ہوا تو اس سے کم نہ کیا جائیگا اسی وجہ سے چالیس سے زیادہ پر باہم صلح کرنا بالاتفاق نہین جائز ہی بخلاف اسکے چالیس سے کم پر صلح کرنا اسوجہ سے جائز ہی کہ لانے والے نے اپنے حق مین سے کچھ چھوڑ دیا اور امام محمد کی دلیل یہ ہی کہ جعل کا مقصود یہ ہی کہ غیر کو پھیرلانے پر آمادگی ہو تاکہ مالک کا مال تلف ہونے سے بچے تو اس کی قیمت سے ایک درم کم کردیا جائے تاکہ مالک کو بھی کچھ فائدہ باقی رہے اور اگر ام ولد یا مدبر بھاگے تو جعل کے حق مین وہ بھی بمنزلہ محض مملوک کے ہی بشرطیکہ مولی کی زندگی مین پھیرلاوے کیونکہ اسمین مولی کی ملکیت زندہ ہوتی ہی اور اگر مولی کی وفات کے بعد پھیرلایا تو ام ولد و مدبر کی صورت مین کچھ جعل نہوگا کیونکہ یہ دونون بعد موت کے آزاد ہوجاتے ہین بخلاف محض مملوک کے کہ وہ آزاد نہین ہوتا اور اگر پھیرلانے والا مالک غلام کا باپ یا بیٹا ہو جو اسکے عیال مین ہی یا شوہر و زوجہ مین سے کوئی دوسرے کا غلام پھیرلایا تو کچھ جعل نہوگا کیونکہ عادت جاری ہی کہ یہ لوگ بطور احسان کے پھیرلاتے ہین تو کتاب کا مطلق حکم ان لوگون کو شامل نہوگا - قال وان ابق من الذی ردہ فلا شیء علیہ لانہ امانۃ فی یدہ لکن ہذا اذا شہد وقد ذکرناہ فی اللقطۃ قال رحمہ وذکر فی بعض النسخ انہ لاشیء لہ وہو صحیح ایضا لانہ فی معنی المبائع من المالک ولہذا کان لہ ان یحبس الآبق حتی یستوفی الجعل بمنزلۃ البائع یحبس المبیع لاستیفاء الثمن وکذلک اذا مات فی یدہ لاشیء علیہ لما قلنا - جو شخص بھگوڑے غلام کو پھیرلاتا تھا اگر وہ اسکے ہاتھ سے بھاگ گیا تو پھیرلانے والے پر کچھ نہین ہی کیونکہ وہ اسکے قبضہ مین امانت تھا لیکن امانت اسوقت ہوگا کہ جب اسنے غلام کو گرفتار کرنے کے وقت گواہ کرلیے ہون کہ مین اسکے مالک کو پھیرنے کے واسطے پکڑتا ہون اور ہم اسکو لقطہ مین بیان کرچکے ہین - مصنف نے فرمایا بعض نسخون مین یہ مذکور ہی کہ پھیرلانے والے کے واسطے کچھ نہین ہی اور یہ نسخہ بھی صحیح ہی یعنے جب اسکے پاس سے غلام بھاگ گیا تو اسکو کچھ جعل نہین ملیگا کیونکہ وہ مالک کے ہاتھ بیچنے والے کے معنی مین ہی یعنے جب تک مالک کے سپرد نکرے تب تک کچھ مستحق نہوگا اور اسی واسطے پھیرلانے والے کو اختیار ہی کہ اپنا جعل وصول کرنے تک بھگوڑے غلام کو اپنے پاس روک رکھے جیسے بائع کو یہ اختیار ہوتا ہی کہ اپنے نقد دام وصول کرنے تک مبیع مشتری کو دینے سے روکے - اور اسی طرح اگر پھیرلانے والے کے قبضہ مین وہ غلام مرگیا تو بھی اسپر کچھ واجب نہین ہی ف یعنی وہ غلام کا ضامن نہوگا کیونکہ وہ امین ہی یا اسنے اپنے حق سے روکا ہی اور واضح ہو کہ پھیرلانے والے نے جب غلام اسکے مالک کو سپرد کیا اسطرح کہ اپنا قبضہ اسپر سے اٹھالیا اور بولے اسپر قبضہ کرسکتا ہی تو وہ قابض ہوگیا قال ولو اعتقہ المولے کما لقیہ صار قابضا بالاعتاق کما فی العبد المشتری وکذا اذا باعہ من الرادۃ سلامۃ البدل لہ والرد ان کان لہ حکم البیع لکنہ بیع من وجہ فلا یدخل تحت النہی الوارد عن بیع ما لم یقبض فجاد - اور اگر ملاقات ہوتے ہی مولی نے اسکو آزاد کردیا تو آزاد کرنے کی وجہ سے قابض ہوگیا یعنے جعل واجب ہوگیا جیسے خریدے ہوئے غلام مین ہوتا ہی (یعنے مشتری نے اسکو آزاد کیا تو قابض ہوگیا اور بائع کے دام واجب ہوئے) اور اسی طرح اگر مالک نے پھیرلانے والے کے ہاتھ اسکو فروخت کیا تو بھی یہی حکم ہی کیونکہ جعل کے دام اسکو مسلم ہوئے اور

Marfat.com

واپسی کے واسطے اگرچہ بیع کا حکم ہی ولیکن وہ صرف ایک وجہ سے بیع ہی تو غیر مقبوض کی فروخت سے جو ممانعت وارد
ہی اُسکے تحت مین یہ صورت داخل نہوگی۔ قال وینبغی اذا اخذہ ان یشہد انہ یاخذہ لیرده فلا شہادتہم
فیہ علیہ علے قول ابی حنیفۃ ومحمد رح حتی لو ردہ من لم یشہد وقت الاخذ لا جعل لہ عندہما لان ترک
الاشہاد امارۃ انہ اخذہ لنفسہ وصار کما اذا اشتراہ من الاخذ او اتہبہ او ورثہ فردہ علی مولاہ لا جعل
کہ لا نہ ردہ لنفسہ الا اذا اشہد انہ اشتراہ فیکون لہ الجعل وہو متبرع فی اداء الثمن۔ اور گرفتار کرنے والے
کو چاہیے کہ بھگوڑے کو پکڑتے وقت گواہ کرلے کہ مین اسکو اسکے مالک کو واپس دینے کو پکڑتا ہون پس ابو حنیفہ ومحمدؒ
کے قول پر بھگوڑے غلام کو پکڑنے مین اُسپر گواہ کرلینا واجب ہی حتی کہ جسنے پکڑتے وقت گواہ نہ کیے ہون وہ اگر
واپس لاوے تو اُسکے واسطے جعل نہوگا کیونکہ گواہ کرنے کو چھوڑنا اس امر کی علامت ہی کہ اُسنے اپنے واسطے پکڑا تھا
تو ایسا ہوگیا جیسے اُسنے گرفتار کرنے والے سے خرید کر یا ہبہ مین لیکر یا میراث پاکر پھر اُسکے مالک کو واپس دیا تو اُسکے
واسطے جعل نہین ہی کیونکہ اُسنے اپنی ذات کے واسطے لیکر واپس دیا ہی لیکن اگر خریدکے وقت گواہ کرلیے ہون کہ مین
اسواسطے خریدتا ہون تاکہ اسکے مالک کو واپس دون تو اُسکو جعل ملیگا مگر دام ادا کرنے مین وہ احسان کرنے والا ہوگا
فان کان الآبق رہنا فالجعل علے المرتہن لانہ احیی مالیتہ بالرد وہی حقہ اذ الاستیفاء منہا والجعل
بمقابلۃ احیاء المالیۃ فیکون علیہ والرد فی حق الراہن وبعدہ سواء لان الرہن لا یبطل بالموت وہذا
اذا کانت قیمتہ مثل الدین او اقل منہ فان کانت اکثر فیقدر الدین علیہ والباقی علے الراہن لان حقہ
بالقدر المضمون فصار ککفن الدواء وتخلیصہ عن الجنایۃ بالفداء وان کان مدبرا فعلے المولی ان اختار
قضاء الدین وان بیع بدئ بالجعل والباقی للغرماء لانہ موہتہ الملک والملک فیہ کالموقوف فیجب علی من
یستقر لہ وان کان جانیا فعلے المولی ان اختار الفداء لعود المنفعۃ الیہ وعلی الاولیاء ان اختاروا الدفع لعودہا
الیہم وان کان موہوبا فعلے الموہوب لہ وان رجع الواہب فی ہبتہ بعد الرد لان المنفعۃ للواہب حصلت
بالرد بل یترک الموہوب لہ التصرف فیہ بعد الرد وان کان لصبی فالجعل فی مالہ لانہ مؤنۃ ملکہ وان ردہ
وصیۃ فلا جعل لہ لانہ ہو الذی یتولی الرد فیہ۔ اور اگر یہ بھاگا ہوا غلام کسی کے پاس رہن تھا تو واپس لانے
کا جعل مرتہن کے ذمہ ہی کیونکہ واپس لانے والے نے اُسکی مالیت زندہ کردی حالانکہ مالیت حق مرتہن ہی اسواسطے
کہ رہن کا روپیہ اسی مالیت سے حاصل ہوسکتا ہی اور مالیت زندہ کرنے کے مقابل مین جعل واجب ہی تو مرتہن کے
ذمہ ہوا اور راہن کی زندگی مین واپس لاوے یا اُسکی موت کے بعد واپس لاوے دونون برابر ہین کیونکہ راہن
کی موت سے رہن باطل نہین ہوتا اور مرتہن پر جعل ہونا اس صورت مین ہی کہ اس غلام کی قیمت مثل قرضہ کے یا
کم ہو اور اگر قرضہ سے زیادہ ہو تو بقدر قرضہ کے مرتہن پر ہی اور باقی راہن پر ہی کیونکہ حق مرتہن اُسی قدر ہی جسقدر
اُسکی ضمانت مین ہی تو اسکا حکم ایسا ہوگیا جیسے دوا کی قیمت اور جرم سے چھوڑانے کا فدیہ (یعنے اگر غلام مرہون نے
خطا سے کسی کو قتل کیا یا بیمار ہوگیا تو فدیہ یا دوا کے دام بقدر حق مرتہن کے مرتہن پر ہین اور باقی راہن پر ہین۔
ایسا ہی بیان ہوگا) اور اگر یہ بھاگا ہوا غلام قرضدار ہو تو دیکھا جاوے کہ اگر مولی نے اسکا قرضہ ادا کرنا اختیار کیا
تو بھیر لانے والے کا جعل مولی پر ہی اور اگر یہ غلام قرضہ مین فروخت کیا گیا تو پہلے جعل ادا کردیا جاوے اور باقی قرضخواہون
کا ہوگا کیونکہ جعل تو اس ملکیت پر بار خرچہ ہی اور ملکیت بمنزلہ موقوف کے ہی پس جسکے واسطے ملکیت قرار پاوے اُسی پر
جعل واجب ہوگا یعنے جب فروخت قرار پائے تو جعل اُسکے دامون پر ہی اور اگر اس غلام نے خطا سے قتل کرنے کا جرم

Marfat.com

کیا ہو تو دیکھا جائیگا کہ اگر مولی نے اسکا فدیہ دینا اختیار کیا تو واپس لانے والے کا جعل مولی پر ہوگا کیونکہ واپسی کا نفع اُسی کو پہونچتا ہی اور اگر مولی نے اولیار مقتول کو یہ غلام دینا اختیار کیا تو واپس لانے والے کا جعل اولیار مقتول پر ہی کیونکہ پھیر لانے کی منفعت اُنھین کو پہونچیگی اور اگر یہ غلام ہبہ کیا ہوا ہو تو اسکا جعل موہوب لہ پر واجب ہوگا اگرچہ بعد واپسی کے ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کو پھیر لے کیونکہ واپسی سے ہبہ کرنے والے کو منفعت نہین ملی بلکہ واپسی کے بعد موہوب لہ کے تصرف چھوڑ دینے سے حاصل ہوئی اور اگر یہ بھگوڑا غلام کسی طفل کا ہو تو اسکا جعل اُس طفل کے مال مین ہوگا کیونکہ یہ اُسکے ملک مین بازخریدا ہی اور اگر طفل کا وصی اُسکو واپس لایا تو وصی کے واسطے جعل نہوگا کیونکہ اسکو واپس لانا وصی کا ذاتی کام ہی

کتاب المفقود

یہ کتاب مفقود کے بیان مین ہی۔ مفقود وہ شخص جو اپنے لوگون کے پاس سے اس طرح غائب ہوگیا جسکی زندگی یا موت کا کچھ حال معلوم نہین ہی چنانچہ فرمایا۔ واذا غاب الرجل فلم یعرف لہ موضع ولا یعلم احی ہو ام میت نصب القاضی من یحفظ مالہ ویقوم علیہ ویستوفی حقہ لان القاضی نصب ناظرا لکل عاجز عن النظر لنفسہ والمفقود بہذہ الصفۃ وصار کالصبی والمجنون وفی نصب الحافظ لمالہ والقائم علیہ نظر او قولہ یستوفی حقہ لاحضارہ انہ یقبض غلاتہ والدین الذی اقر بہ غریم من غرمائہ لانہ من باب الحفظ ویخاصم فی دین وجب لعقدہ لانہ اصیل فی حقوقہ ولا یخاصم فی الذی تولاہ المفقود ولا فی نصیب لہ فی عقار او عرض فی ید رجل لانہ لیس بمالک ولا نائب عنہ انما ہو وکیل بالقبض من جہۃ القاضی وانہ لا یملک الخصومۃ بلا خلاف انما الخلاف فی الوکیل بالقبض من جہۃ المالک فی الدین واذا کان کذلک یتضمن الحکم بہ قضاء علی الغائب وانہ لا یجوز الا اذا راہ القاضی وقضی بہ لانہ مجتہد فیہ ثم ما کان یخاف علیہ الفساد یبیعہ القاضی لانہ تعذر علیہ حفظ صورتہ فینظر لہ بحفظ المعنی۔ اگر کوئی شخص غائب ہوگیا پھر اُسکا ٹھکانا معلوم نہین اور یہ بھی نہین معلوم کہ وہ زندہ ہی یا مرگیا تو قاضی ایک شخص کو مقرر کرے جو اُسکے مال کی حفاظت و پرداخت کرے اور اُسکے حقوق وصول کرے اسواسطے کہ قاضی ہر ایسے شخص کے واسطے مقرر ہی جو اپنی ذاتی امورات کی نگہداشت سے عاجز ہی اور مفقود مین بھی یہی صفت ہی پس وہ مانند طفل یا مجنون کے ہوگیا اور اُسکے مال کی حفاظت و پرداخت کرنے والا مقرر کرنے مین مفقود کی بہتری ہی اور رہا یہ امر کہ وہ اسکے حقوق وصول کرے تو پوشیدہ نہین کہ وہ اُسکے مال کی حاصلات و پیداوار وصول کریگا اور اُسکے قرضداروں مین سے جسنے قرضہ کا اقرار کیا اُس سے قرضہ بھی وصول کریگا کیونکہ یہ از قسم حفاظت ہی اور قاضی کے یہان ایسے قرضہ مین نالش کرسکتا ہی جو اس وصی کے معاملہ سے واجب ہو کیونکہ ایسے حقوق مین یہ خود اصیل ہی اور جس قرضہ کا متولی خود مفقود ہوا ہو اُسمین مخاصمہ نہین کرسکتا ہی اور مفقود کی جو جائداد غیر منقولہ یا مال منقولہ کسی شخص کے قبضہ مین ہو یا حصہ ہو اُسکی بابت مخاصمہ نہین کرسکتا کیونکہ وہ اصلی مالک یا نائب نہین ہی بلکہ وہ قاضی کی طرف سے قبضہ کرنے کا وکیل ہی اور ایسا وکیل بالاتفاق نالش و خصومت نہین کرسکتا ہان جس وکیل کو مالک نے قرضہ وصول کرنے مین وکیل کیا ہو تو ایسے وکیل مین البتہ اختلاف ہی کہ وہ نالش کرسکتا ہی یا نہین پھر جب یہ حال ٹھہرا اسلیے یہ وکیل مخاصمہ نہین کرسکتا تو اسکی خصومت پر کوئی حکم ہو یا غائب پر حکم دینے کو شامل ہی حالانکہ یہ بات نہین جائز ہی لیکن اگر قاضی کی رائے مین یہ امر جائز ہو اور اسنے حکم دیدیا تو حکم نافذ ہوجائیگا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہی پھر مفقود کے

Marfat.com

اموال مین سے جس چیز کے بگڑ جانے کا خوف ہو تو قاضی اُسکو فروخت کردیگا کیونکہ جب بعینہ اُسکی حفاظت ممکن نہین ہی تو بحسب معنی اُسکی حفاظت کرے یعنے فروخت کرکے اُسکے دام محفوظ رکھے - ولا یبیع مالا یخاف علیہ الفساد فی النفقۃ ولا غیرھا لانہ لا ولایۃ لہ علی الغائب الا فی حفظ مالہ فلا یسوغ لہ ترک حفظ الصورۃ وھو ممکن = اور جس مال کے بگڑنے کا خوف نہو اُسکو نہین فروخت کریگا نہ نفقہ کی ضرورت مین اور نہ کسی دوسری ضرورت مین اسواسطے کہ قاضی کو غائب پر صرف یہی ولایت ہی کہ اُسکے مال کی حفاظت کرے تو جس حالت مین عین مال کی حفاظت ممکن ہی اُسکو چھوڑنا جائز نہوگا فحال وینفق علی زوجتہ واولادہ من مالہ ولیس ہذا الحکم مقصورا علی الاولاد بل یعم جمیع قرابۃ الولاد والاصل ان کل من یستحق النفقۃ فی مالہ حال حضرتہ بغیر قضاء القاضی ینفق علیہ من مالہ عند غیبتہ لان القضاء حینئذ یکون اعانۃ وکل من لا یستحقہا فی حضرتہ الا بالقضاء لا ینفق علیہ من مالہ فی غیبتہ لان النفقۃ حینئذ تجب بالقضاء والقضاء علی الغائب ممتنع فمن الاول الاولاد الصغار والاناث من الکبار والزمنی من الذکور الکبار ومن الثانی الاخ والاخت والخال والخالۃ وقرابۃ من الام واما الاب والدنانیر لان حقہم فی المطعوم والملبوس فاذا لم یکن ذلک فی مالہ یحتاج الی القضاء بالقیمۃ وھی النقدان والتبر بمنزلتہما فی ہذا الحکم لانہ یصلح قیمۃ کالمضروب وہذا اذا کانت فی ید القاضی فان کانت ودیعۃ او دینا ینفق علیہما اذا کان المودع والمدیون مقرین بالدین والودیعۃ والنکاح والنسب وہذا اذا لم یکونا ظاہرین عند القاضی فان کانا ظاہرین فلا حاجۃ الی الاقرار ان کان احدہما ظاہرا اشیط الاقرار بالیس لظاہر ہذا ہو الصحیح فان دفع المودع بنفسہ او من علیہ الدین بغیر امر القاضی لم یضمن المودع ولا یبرأ المدیون لانہ ما ادی الی صاحب الحق ولا الی نائبہ بخلاف ما اذا دفع بامر القاضی لان القاضی نائب عنہ وان کان المودع والمدیون جاحدین اصلا او کانا جاحدین الزوجیۃ والنسب لم یتعصب احد من مستحقی النفقۃ خصما فی ذلک لان ما یدعیہ الذائب لم یتعین سببا لثبوت حقہ وہو النفقۃ لانہا کما تجب فی مال الغائب تجب فی مال آخر للفقراء - اور مفقود کے مال سے اُسکی زوجہ و اولاد کو نفقہ دے اور یہ حکم صرف اولاد تک نہین ہی بلکہ سب جنسے قرابت ولادت ہی یعنے والدین واجداد و پوتے پروتے وغیرہ سب محتاجون کو نفقہ دے اور اصل یہ ہی کہ جو لوگ اُسکی حاضری مین بغیر حکم قاضی کے اُسکے مال سے نفقہ کے مستحق تھے اُن سب پر اُسکے غائب ہونے کی حالت مین اُسکے مال سے نفقہ دے کیونکہ ایسی صورت مین حکم قاضی صرف اعانت ہی یعنے نفقہ کا استحقاق حکم قاضی سے پہلے ثابت ہی اور جو لوگ اُسکی موجودگی مین بغیر حکم قاضی کے نفقہ کی مستحق نہ تھے تو اُسکے غائب ہونے کی حالت مین اُسکے مال سے قاضی نفقہ نہین دیگا کیونکہ ایسی صورت مین نفقہ واجب ہوتا بحکم قاضی ثابت ہوتا ہی اور قاضی کا حکم دینا غائب پر ممتنع ہی پس قسم اول مین سے یعنی جو بغیر حکم قاضی مستحق ہین مفقود کے نابالغ اولاد اور بالغہ لڑکیان ہین اور بالغ لڑکون مین سے اپاہج ہین اور قسم دوم یعنی جو بغیر حکم قاضی مستحق نہون انمین سے بھائی اور بہن اور ماموں اور خالہ ہین اور یہ جو فرمایا کہ اُسکے مال سے نفقہ دے تو مال سے مراد درم یا دینار ہین یعنے نقد روپیہ و اشرفی کیونکہ ان لوگون کا استحقاق طعام ولباس مین ہی پھر جب اُسکے مال مین اناج و کپڑا نہو تو قیمت کا حکم دینے کی صورت ہوگی اور قیمت بھی روپیہ و اشرفی ہی اور اس بارہ مین غیر مسکوک سونا چاندی بھی بمنزلہ سکہ دار روپیہ و اشرفی کے ہی کیونکہ سکہ دار کے مانند غیر مسکوک بھی قیمت ہوسکتا ہی اور یہ سب اُس صورت مین ہی کہ یہ مال قاضی کے قبضہ مین ہو اور اگر اُسکا مال کسی کے پاس ودیعت یا قرضہ ہو تو ودیعت و قرضہ مین سے ان لوگون کو نفقہ جب ہی دیگا کہ امانت دار و قرضدار ودیعت و قرضہ و زوجہ کے نکاح اور دوسرون کی نسب کا اقرار کرتے ہون لیکن اقرار کی حاجت اُسوقت ہی کہ یہ دونون باتین قاضی کے نزدیک ظاہر نہون اور اگر دونون باتین ظاہر ہون تو اقرار کی ضرورت نہین ہی اور اگر دونون مین سے ایک بات ظاہر ہو تو دوسری بات جو ظاہر نہین ہی اُسکا اقرار شرط ہی

یہی حکم صحیح ہی پھر اگر امانت دار نے یا قرضدار نے بذات خود بدون حکم قاضی کے اہل نفقہ کو مال دیا تو امانت دار ضامن ہوگا اور قرضدار بری نہوگا کیونکہ اُسنے حقدار یا اسکے نائب کو نہین دیا ہی بخلاف اسکے اگر قاضی کے حکم سے دیا ہو تو بری ہو جائینگے کیونکہ مفقود کی طرف سے قاضی نائب ہی اور اگر امانت دار یا قرضدار اصل امانت یا قرضہ سے منکر ہون یا سبب وزوجیت کے منکر ہون تو مستحقین نفقہ مین سے کوئی شخص اس بارہ مین منکر کا مقابل خصم نہین ہوسکتا ہی کیونکہ غائب کے واسطے وہ جو کچھ مدعی ہو وہ اُسکا حق ثابت ہونے کے واسطے سبب متعین نہین ہی اور اسکا حق نفقہ ہی کیونکہ نفقہ جیسے اس مال مین واجب ہی ویسے ہی مفقود کے دوسرے مال مین واجب ہی **فت** خلاصہ یہ ہی کہ غائب کی طرف سے جو شخص مخاصمہ کرے حالانکہ غائب نے اُسکو اپنا نائب نہین کیا ہی تو وہ قبول نہین ہوتا سوائے ایک صورت کے اور وہ یہ ہی کہ اس شخص کا ذاتی حق ثابت ہونا اس امر پر موقوف ہو کہ پہلے یہ شخص غائب کے واسطے کوئی امر ثابت کرے پس وہ گواہ پیش کرکے غائب کے واسطے پہلے ثابت کریگا تاکہ بعد اسکے اُسکا حق ثابت ہو اور یہان جو لوگ مستحق نفقہ ہین اگر وہ امانت دار یا قرضدار پر مفقود کی امانت یا قرضہ ثابت بھی کرین تو بھی اُنکا حق ثابت نہین ہوتا کیونکہ نفقہ واجب ہونا کچھ مفقود کے قرضہ یا ودیعت مین منحصر نہین ہی بلکہ مفقود کے دوسرے مال مین واجب ہو پس یہ لوگ غائب کی طرف سے مدعی نہونگے۔ قال ولا یفرق بینہ وبین امرأتہ وقال مالک رہ اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینہ وبین امرأتہ وتعتد عدۃ الوفاۃ ثم تزوج من شاءت لان عمر رض ہکذا قضی فی الذی استہواہ الجن بالمدینۃ وکفی بہ اماما ولانہ منع حقہا بالغیبۃ فیفرق القاضی بینہما بعد ما مضی مدۃ اعتبارا بالایلاء والعنۃ وبعد ہذا الاعتبار اخذ المقدار منہما الاربع من الایلاء والسنین من العنۃ عملا بالشبہین ولنا قولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فی امرأۃ المفقود انہا امرأتہ حتی یاتیہا البیان وقول علی رض فیہا ہی امرأۃ ابتلیت فلتصبر حتے یستبین موت او طلاق خرج بیانا للبیان المذکور فی المرفوع ولان النکاح عرف ثبوتہ والغیبۃ لا توجب الفرقۃ والموت فی حیز الاحتمال فلا یزال النکاح بالشک وعمر رض رجع الی قول علی رض ولا معتبر بالایلاء لانہ کان طلاقا معجلا فاعتبر فی الشرع موجلا فکان موجبا للفرقۃ ولا بالعنۃ لان الغیبۃ تعقب الاوبۃ والعنۃ قلما تخلو بعد استمرارہا سنۃ۔ اور مفقود اُسکی زوجہ کے درمیان تفریق نہین کیجائیگی اور امام مالک نے کہا کہ جب چار برس گذر جاوین تو اُسکے اور اُسکی زوجہ کے درمیان قاضی تفریق کردے پھر وہ وفات کی عدت پوری کرے پھر اُسکا جی چاہے کسی مرد سے نکاح کرے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ مین جس شخص کو جن اُٹھالے گئے تھے اُسکی زوجہ کے حق مین یہی حکم دیا اور حضرت عمر کا امام ہونا کافی ہی (اور اس اثر کو امام مالک و ابن ابی الدنیا و ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق و دارقطنی نے روایت کیا ہی اور اسی حکم کی مثل حضرت علی و عثمان سے مروی ہی اور کہا گیا کہ اسی پر صحابہ کا اجماع ہی کیونکہ انکا مخالف کوئی معلوم نہین ہوتا۔ الزرقانی۔) اور ہمارے نزدیک تفریق کیجاوے کہ مفقود نے غائب ہوکر عورت کا حق روک دیا تو مدت گذرنے کے بعد قاضی دونون مین تفریق کردیگا جیسے ایلاء و عنین کی صورت مین ہی (پس ایک راہ سے اُسکو مشابہت ایلاء سے ہی اور ایک راہ سے مشابہت عنین سے ہی) پھر جب ایلاء و عنین پر قیاس ہوا تو انمین دونون سے چار برس کی مدت لی گئی اسلئے کہ ایلاء سے چار اور عنین سے سال لیے تاکہ دونون مشابہت پر عمل ہو اور ہماری دلیل یہ ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مفقود کی زوجہ کے بارہ مین فرمایا کہ یہ اُسکی زوجہ رہیگی یہانتک کہ اُسکو بیان پہونچے (رواہ الدارقطنی وہو ضعیف) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ ایک عورت ہی جو مصیبت مین مبتلا کی گئی پس صبر کرے یہانتک کہ ظاہر ہو کہ اسکا شوہر مرگیا یا طلاق دیدی۔ سداد

عبد الرزاق - پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول حدیث کے بیان کا بیان ہی اور اس دلیل سے کہ نکاح کا ثبوت زیقینی معلوم ہی اور شوہر کا غائب ہونا موجب جدائی نہین ہوتا ہی اور مفقود کا مرجانا احتمال ہی تو احتمال کی وجہ سے نکاح زائل نہ کیا جائیگا اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کیا اور غائب ہونے کا قیاس ابلاء پر نہین ہوسکتا کیونکہ زمانہ جاہلیت مین ایلاء قوی الکال طلاق تھی پس شرع نے اُسکو چار مہینہ کے بعد طلاق ٹھہرایا تو ابلاء موجب فرقت ہی اور عنین پر بھی قیاس نہین ہوسکتا کیونکہ غائب تو واپس آتا ہی اور عنین کا مرض جب برابر سال بھر رہا تو اُس سے افاقہ کی امید بہت کم ہی ف ابن الہمام نے کہا کہ اس مسئلہ مین صحابہ کے درمیان اختلاف تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اثر کو عبد الرزاق نے حکم بن عتیبہ سے روایت کیا حالانکہ حکم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نہین پایا ہی اور عبد الرزاق نے ابن جریج سے روایت کی کہ مجھے خبر پہونچی کہ عبد اللہ بن مسعود نے بھی حضرت علیؓ سے موافقت کی اور یہی مذہب تابعین مین سے ابو قلابہ و جابر بن زید و شعبی و نخعی سے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہ پھر واضح ہو کہ رد المحتار مین ابن وہبان و زاہدی وغیرہ سے نقل کیا کہ جہان ضرورت پیش آوے وہان امام مالک کے قول پر فتوی دینا جائز ہی جیسے ایک عورت کو ایک حیض آکر برابر ٹھہر ہو گیا تو امام مالک کے نزدیک نو مہینہ گذرنے پر اُسکی عدت پوری ہو جائیگی اور فتای بزازیہ مین کہا کہ ہمارے زمانہ مین امام مالک کے قول پر فتوے ہی - قال واذا تم لہ مائۃ وعشرون سنۃ من یوم ولد حکمنا بموتہ قال رحمہ وہذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ رح وفی ظاہر المذہب یقدر بموت الاقران وفی المروی عن ابی یوسف رح بمائۃ سنۃ وقدرہ بعضہم بتسعین والاقیس ان لا یقدر بشیء والارفق ان یقدر بتسعین واذا حکم بموتہ اعتدت امرأتہ عدۃ الوفاۃ من ذلک الوقت - اور جب مفقود کے روز پیدائش سے ایک سو بیس برس پورے ہو جاوین تو ہم اُسکی موت کا حکم دینگے شیخ مصنف نے کہا کہ یہ حسن نے ابو حنیفہ رح سے روایت کیا ہی اور ظاہر مذہب مین اُسکے ہمسرون کی موت کا اندازہ ہی اور ابو یوسف کی روایت مین سو برس ہین اور بعضون نے نوے برس اندازہ کیا ہی اور قیاس سے زیادہ موافق یہ ہی کہ کسی مقدار سے نہ اندازہ کیا جاوے اور زیادہ آسان یہ ہی کہ نوے برس سے اندازہ کیا جاوے (اور اسی پر فتوی ہی ع) اور جب مفقود کی موت کا حکم دیا گیا تو اسی وقت سے اُسکی زوجہ عدت وفات پوری کرے - وقسم مالہ بین ورثتہ الموجودین فی ذلک الوقت کانہ مات فی ذلک الوقت معاینۃ اذ الحکمی معتبر بالحقیقی ومن مات قبل ذلک لم یرث منہ لانہ لم یحکم بموتہ فیہا فصار کما اذا کانت حیاتہ معلومۃ - اور مفقود کا مال اُن وارثون مین جو اسوقت موجود ہین تقسیم کیا جائے گویا اسی وقت آنکھون کے سامنے مرا ہی کیونکہ حکمی موت کا قیاس حقیقی موت پر ہی اور اُسکے اقارب مین جو شخص پہلے مرگیا ہو اسکا وارث نہوگا کیونکہ اس حالت مین مفقود کی موت کا حکم نہین دیا گیا تو ایسا ہی کہ جیسے اُسکا زندہ ہونا معلوم ہو - ولا یرث المفقود احد مات فی حال فقدہ لان بقاءہ حیا فی ذلک الوقت باستصحاب الحال وہو لا یصلح حجۃ فی الاستحقاق - اور مفقود کسی کا وارث نہوگا جو اُسکے گم ہونے کی حالت مین مرگیا ہو کیونکہ بظاہر حال وہ اسوقت زندہ ہی اور یہ استحقاق کی حجت نہین ہوسکتا ہی - وکذلک لو اوصی للمفقود وہات الموصی ثم الاصل ان کل من کان مع المفقود وارث لا یحجب بہ ولکنہ ینتقص حقہ بہ یعطی اقل النصیبین ویوقف الباقی وان کان معہ وارث یحجب بہ لا یعطی اصلا بیانہ رجل مات عن ابنتین وابن مفقود وابن ابن وفات ابن والمال فی ید الاجنبی وتعاد قوا علی فقد الابن وطلبۃ الابنتان المیراث تعطیان النصف لانہ متیقن بہ ویوقف النصف الآخر ولا یعطی ولد الابن لانہم یحجبون بالمفقود لو کان حیا فلا یستحقون

المیراث بالشک۔ اور اسی طرح اگر مفقود کے واسطے کچھ وصیت کی گئی ہو اور وصیت کرنے والا مرگیا ہو تو وصیت صحیح نہین بلکہ توقف ہی پھر اصل یہ ہی کہ اگر مفقود کے ساتھ مین ایسا وارث ہو جو مفقود کی وجہ سے محجوب نہو تو وہ حصہ پاویگا لیکن اس وارث کا حق جو مفقود کے کم ہو جائیگا حتی کہ اُسکو دونون حصون مین سے کم حصہ دیا جائیگا اور باقی رکھ چھوڑا جائیگا۔ اور اگر مفقود کے ساتھ ایسا وارث ہو جو محجوب ہوتا ہی تو اُسکو بالکل نہین دیا جائیگا اسکا بیان یہ ہی کہ ایک شخص دو بیٹیان اور ایک مفقود بیٹا اور ایک پوتا اور ایک پوتی چھوڑ کر مرگیا اور اُسکا مال کسی اجنبی کے پاس ہی اور اس اجنبی دوارثون نے پسر کے گم ہونے پر اتفاق کیا اور دونون لڑکیون نے اپنی میراث طلب کی تو انکو نصف میراث دیجائیگی کیونکہ یہی متیقن ہی اور باقی آدھا روک رکھا جائیگا اور پوتون کو نہین دیا جائیگا کیونکہ وہ مفقود کی وجہ سے محجوب ہو جاتے ہین اگر مفقود زندہ ہو تو شک کی وجہ سے میراث کے مستحق نہونگے۔ ولا ینزع من ید الاجنبی الا اذا ظهرت منه خیانة ونظیر هذا الحمل فانه یوقف له میراث ابن واحد علی ما علیه الفتوی ولو کان معه وارث آخر ان کان لا یسقط بحال ولا یتغیر بالحمل یعطی کل نصیبه وان کان ممن تسقط بالحمل لا یعطی و ان کان ممن یتغیر به یعطی الاقل للمتیقن به کما فی المفقود وقد شرحناه فی کفایة المنتهی باتم من هذا۔ اور نصف میراث جو اجنبی کے قبضہ مین ہی اُسکے قبضہ سے نہین نکالی جائیگی مگر اُس صورت مین کہ اُسکی طرف سے کوئی خیانت ظاہر ہو اور اس مسئلہ مفقود کی نظیر مسئلہ حمل ہی چنانچہ حمل کے واسطے بھی ایک پسر کی میراث روکی جائیگی چنانچہ اسی پر فتوی ہی اور اگر حمل کے ساتھ دوسرا وارث ہو لیں اگر ایسا وارث ہو کہ کسی حال مین ساقط نہین ہوتا ہی اور حمل کی وجہ سے اُسکا حصہ متغیر نہین ہوتا تو پورا حصہ دیا جائیگا اور اگر ایسا وارث ہو جو حمل کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہی تو اُسکو حصہ نہین دیا جائیگا اور اگر ایسا وارث ہو کہ جسکا حصہ حمل کی وجہ سے متغیر ہوتا ہی تو اُسکو کمتر حصہ دیا جائیگا کیونکہ وہ متیقن ہی جیسے مفقود مین ہوتا ہی اور ہمنے اس مسئلہ کو کفایۃ المنتہی مین پورے طور پر شرح کیا ہی۔

کتاب الشرکۃ

یہ کتاب شرکت کے بیان مین ہی۔ الشرکۃ جائزۃ لانہ صلے اللہ علیہ وسلم بعث والناس یتعاملون بها فقررهم علیه شرکت جائز ہی کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسے حال مین تشریف لائے کہ لوگون مین باہم شرکت کا معاملہ جاری تھا پس آپ نے لوگون کو اسپر برقرار رکھا۔ قال الشرکۃ ضربان شرکۃ املاک وشرکۃ عقود فشرکۃ الاملاک العین یرثها رجلان ویشتریانها فلا یجوز لاحدهما ان یتصرف فی نصیب الآخر الا باذنه وکل واحد منهما فی نصیب صاحبه کالاجنبی وهذه الشرکۃ تتحقق فی غیر المذکور فی الکتاب کما اذا اتهب رجلان عینا او ملکاها بالاستیلاء او اختلط مالهما من غیر صنع احدهما او بخلطهما خلطا یمنع التمیز رأسا او لا یحرج ویجوز بیع احدهما نصیبه من شریکه فی جمیع الصور ومن غیر شریکه بغیر اذنه الا فی صورۃ الخلط والاختلاط فانه لا یجوز الا باذنه وقد بینا الفرق فی کفایة المنتهی۔ شرکت کی دو قسمین ہین ایک شرکت املاک اور دوسری شرکت عقود پس شرکت املاک ایسے مال عین مین ہی جسکے دو شخص وارث ہون یا دونون اُسکو خریدین پس دونون مین سے کسی کو دوسرے کے حصہ مین بغیر اُسکی اجازت کے تصرف کا اختیار نہین ہی اور دونون مین سے ہر ایک دوسرے کے حصہ مین بمنزلہ اجنبی کے ہی اور یہ شرکت سوائے ان چیزون کے جو کتاب مین مذکور ہین دوسری چیزون مین بھی جاری ہی جیسے دو شخصون نے کوئی مال عین بطور ہبہ یا یا دونون نے کافر سے بطور غلبہ چھینا یا دونون کا مال بغیر ان دونون مین سے

کسی کی حرکت کے مخلوط ہوگیا یا دونون کے مال سے مخلوط ہوگیا حالانکہ یہ اختلاط ایسے طور پر ہی کہ بالکل امتیاز نہین ہوسکتا یا امتیاز ایک حرج کے ساتھ ممکن ہی اور ان سب صورتون مین ایک شریک کا اپنے حصہ کو بیچنا اپنے شریک کے ہاتھ سب صورتون مین جائز ہی اور غیر شریک کے ہاتھ بیچنا بھی بغیر اجازت شریک کے جائز ہی سوائے صورت خلط و اختلاط کے یعنے جس صورت مین دونون چیزین مخلوط گئین یا دونون مالکون نے طعام تھا دونون صورتون مین غیر کے ہاتھ بیچنا نہین جائز ہی مگر جبکہ شریک اجازت دے اور فرق ہونے کفایۃ المنتہی مین بیان کردیا - والضرب الثانی شرکۃ العقود ورکنہا الایجاب والقبول وہو ان یقول احدہما شارکتک فی کذا وکذا ویقول الاخر قبلت وشرطہ ان یکون التصرف المعقود علیہ عقد الشرکۃ قابلا للوکالۃ لیکون ما یستفاد بالتصرف مشترکا بینہما فیتحقق حکمہ المطلوب منہ - اور دوسری قسم شرکت کی شرکۃ العقود ہی یعنے بذریعہ عقد کے باہم شرکت کی اور اسکا رکن ایجاب و قبول ہی اور اسکی صورت یہ ہی کہ ایک کہے کہ مین نے تجھسے فلان وفلان چیز مین شرکت کی اور دوسرا کہے کہ مین نے قبول کیا اور اسکی شرط یہ ہی کہ جس تصرف پر عقد شرکت باندھا ہی وہ قابل وکالت ہوتا کہ تصرف سے جو کچھ حاصل ہو دونون مین مشترک ہو پس عقد شرکت سے جو حکم مطلوب تھا وہ متحقق ہو - ثم ہی اربعۃ اوجہ مفاوضۃ وعنان وشرکۃ الصنائع وشرکۃ الوجوہ فاما شرکۃ المفاوضۃ فہی ان یشترک الرجلان فیتساویان فی مالہما وتصرفہما ودینہما لانہا شرکۃ عامۃ فی جمیع التجارات یفوض کل واحد منہما الی صاحبہ علی الاطلاق اذ ہی من المساواۃ قال فانہم لا یصلح الناس فوضی الا سراۃ اذا جمالہم ساووا ای متساوین فلا بد من تحقق المساواۃ ابتداء وانتہاء [illegible] ویلحق بالاصل ما یقصد بہ ما تصح الشرکۃ فیہ ویلتحق التفاضل فیما لا یصح الشرکۃ فیہ وکذا فی التصرف لانہ لو [illegible] یملک الآخر تفاوت التساوی وکذلک فی الدین لما بین ان شاء اللہ تعالے وہذہ الشرکۃ جائزۃ عندنا استحسانا وفی القیاس لا یجوز وہو قول الشافعی رح وقال مالک رح لا اعرف ما المفاوضۃ وجہ القیاس انہا تضمنت الوکالۃ بمجہول الجنس والکفالۃ بمجہول وکل ذلک بانفرادہ فاسد وجہ الاستحسان قولہ صلے اللہ علیہ وسلم فاوضوا فانہ اعظم للبرکۃ وکذا الناس لیا لمونہا من غیر نکیر وبہ یترک القیاس والجہالۃ متحملۃ تبعا کما فی المضاربۃ ولا تنعقد الا بلفظۃ المفاوضۃ لبعد شرائطہا عن علم العوام حتی لو بنیا جمیع ما یقتضیہ یجوز لان المعتبر ہو المعنی - پھر شرکت عقود کی چار قسمین ہین - اول شرکت مفاوضہ دوم شرکت عنان - سوم شرکت صنائع - چہارم شرکت وجوہ - پس شرکت مفاوضہ کی یہ صورت ہی کہ دو مرد باہم شرکت کرین پس مال و تصرف و دین مین دونون برابر ہون کیونکہ یہ شرکت جمیع تجارات مین عام ہوتی ہی اسطرح کہ دونون مین سے ہر ایک امر شرکت کو اپنے ساتھی کی جانب علی الاطلاق تفویض کرتا ہی کیونکہ مفاوضہ بمعنی مساوات ہی چنانچہ عرب کے بعض اشعار مین یہ معنی مذکور ہین پس ابتداء و انتہا مین مساوات ہونا ضرور ہی اور یہ مال مین ثابت ہوگی اور مال سے مراد وہ مال ہی جسمین شرکت صحیح ہو پس جس مال مین شرکت صحیح نہین ہی تو اسمین باہم کمی و بیشی ہونا معتبر نہین ہی اور اسی طرح تصرف مین بھی مساوات چاہیے کیونکہ اگر ایک کو ایسے تصرف کا اختیار ہو جو دوسرے کو نہین ہی تو مساوات جاتی رہیگی اور اسی طرح دین مین بھی مساوات شرط ہی چنانچہ آیندہ ہم اسکی دلیل بیان کرینگے انشاء اللہ تعالے اور یہ شرکت ہمارے نزدیک بدلیل استحسان جائز ہی اور قیاسا جائز نہین ہی اور یہی شافعی کا قول ہی اور امام مالک نے کہا کہ مین نہین پہچانتا کہ مفاوضہ کیا چیز ہی اور وجہ قیاس یہ ہی کہ مفاوضہ مین مجہول الجنس کی وکالت اور مجہول کی کفالت موجود ہی اور ایسی وکالت و کفالت تنہا فاسد ہی اور وجہ استحسان یہ ہی کہ حدیث مین آیا کہ تم لوگ مفاوضہ کرو

Marfat.com

کہ اُسمین بڑی برکت ہی (لیکن یہ حدیث نہین پائی گئی بلکہ ابن ماجہ مین حدیث آئی تین چیزون مین برکت ہی اُدھار بیع مین جسکی میعاد معلوم ہو اور مفاوضہ مین اور گھر کے خرچ کے لیے گیہون کو جو کے ساتھ ملانے مین مگر بیع کے لیے نہین ہی۔ اور استحسان کی یہ بھی وجہ ہی کہ مفاوضہ کا معاملہ لوگون مین بلا انکار جاری تھا اور ایسے تامل سے قیاس چھوڑ دیا جاتا ہی اور وکالت وکفالت مین جو جہالت ہی وہ تابع کرکے برداشت ہوسکتی ہی جیسے مضاربت مین جائز ہی اور واضح ہو کہ یہ شرکت سوائے لفظ مفاوضہ کے کسی لفظ سے منعقد نہین ہوتی کیونکہ عوام کے علم سے اسکے شرائط بعید ہین حتی کہ اگر اسکے جمیع شرائط ومقتضیات کو دوسری عبارات مین بیان کردیا تو شرکت مفاوضہ صحیح ہو جائیگی کیونکہ اعتبار صرف معنی کا ہی قال فیجوز بین الحرین البالغین مسلمین او ذمیین لتحقق التساوی وان کان احدہما کتابیا والآخر مجوسیا یجوز ایضا لما قلنا۔ پس عقد مفاوضہ ایسے دو مردون مین جائز ہوا کہ دونون بالغ آزاد مسلمان ہون یا دونون ذمی ہون کیونکہ دونون مین برابری ثابت ہی اور اگر دونون مین سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بھی جائز ہی کیونکہ کفر ایک ہی ملت ہونے کی وجہ سے دونون مین برابری ثابت ہی۔ ولا یجوز بین الحر والمملوک ولا بین الصبی والبالغ لانعدام المساواۃ لان الحر البالغ یملک التصرف والکفالۃ والمملوک لا یملک واحدا منہما الا باذن المولی والصبی لا یملک الکفالۃ ولا یملک التصرف الا باذن الولی۔ اور آزاد ومملوک مین مفاوضہ نہین جائز ہی اور طفل وبالغ مین بھی نہین جائز ہی کیونکہ مساوات ندارد ہی اسواسطے کہ آزاد بالغ کو تصرف وکفالت کا اختیار ہی اور مملوک کو دونون مین سے کوئی اختیار نہین ہی جبتک مولی اجازت نہ دے اور طفل کو بھی انمین سے کوئی اختیار نہین ہی جبتک اُسکا ولی اجازت نہ دے۔ قال ولا بین المسلم والکافر وہذا قول ابی حنیفۃ رح ومحمد رح وقال ابو یوسف رح یجوز للتساوی بینہما فی الوکالۃ والکفالۃ ولا معتبر بزیادۃ تصرف یملکہ احدہما کالمفاوضۃ بین الشفعوی والحنفی فانہا جائزۃ وتفاوتا فی التصرف فی متروک التسمیۃ الا انہ یکرہ لان الذمی لا یہتدی الی الجائز من العقود ولہما انہ لا تساوی فی التصرف فان الذمی لو اشتری براس المال خمرا او خنزیرا صح ولو اشترای المسلم لا یصح۔ اور مسلمان وکافر کے درمیان بھی مفاوضہ نہین جائز ہی اور یہ ابو حنیفہ ومحمد کا قول ہی اور ابو یوسف نے کہا کہ جائز ہی کیونکہ وکالت وکفالت مین دونون برابر ہین اور جس زیادہ تصرف کا ایک مالک ہی اُسکا اعتبار نہین ہی جیسے شافعی وحنفی کے درمیان مفاوضہ جائز ہی حالانکہ حنفی ذبیحہ پر عمداً تسمیہ چھوڑا گیا ہو اسمین دونون کا اختلاف ہی کہ شافعی کے نزدیک حلال ہی اور حنفی کے نزدیک نہین پس مسلمان وکافر کے درمیان بھی جائز ہی لیکن مکروہ ہی اسواسطے کہ ذمی کو جائز معاملات کی راہ نہین معلوم ہی اور ابو حنیفہ ومحمد کی دلیل یہ ہی کہ دونون مین تصرف کی برابری نہین ہی کیونکہ ذمی نے اگر راس المال سے سور یا شراب خریدی تو صحیح ہی اور اگر مسلمان نے خریدی تو نہین صحیح ہی۔ ولا یجوز بین العبدین ولا بین الصبیین ولا بین المکاتبین لانعدام صحۃ الکفالۃ وفی کل موضع لم تصح المفاوضۃ فقد شرطہا ولا یشترط ذلک فی العنان کان عنانا لاستجماع شرائط العنان اذ ہو قد یکون خاصا وقد یکون عاما۔ اور دو غلامون مین مفاوضہ نہین جائز ہی اور دو نابالغون مین نہین اور دو مکاتبون مین بھی نہین جائز ہی کیونکہ کفالت کی صحت نہین ہی اور واضح ہو کہ جس جگہ مفاوضہ بوجہ کوئی شرط نہ ہونے کے صحیح نہو حالانکہ یہ شرط ایسی ہی کہ شرکت عنان مین مشروط نہین ہی تو یہ شرکت عنان ہو جائیگی کیونکہ عنان کے سب شرائط موجود ہین کیونکہ شرکت عنان کبھی خاص ہوتی ہی اور کبھی عام ہوتی ہی ف جیسے ایک بالغ اور دوسرے نابالغ نے یا ایک آزاد اور دوسرے غلام یا مکاتب نے باہم عقد مفاوضہ کیا یا برابر کے دو آزادون نے مفاوضہ مین یہ شرط لگائی کہ

Marfat.com

کفالت نہین ہی تو ہر صورت مین کفالت ہونے سے شرکت عنان ہو جائیگی اور یہ شرکت عنان عام ہوگی جیسے شرکت مفاوضہ ہمیشہ عام ہوتی ہی بعف۔ قال وتنعقد علی الوکالۃ والکفالۃ اما الوکالۃ فلتحقق المقصود وہو الشرکۃ فی المال علی ما بیناہ واما الکفالۃ لتحقق المساواۃ فیما ہو من موجب التجارات وہو توجہ المطالبۃ نحوہما جمیعا۔ اور عقد مفاوضہ کا انعقاد وکالت وکفالت پر ہوتا ہی یعنے ہر ایک کو دوسرے کا وکیل وکفیل ہونا لازم ہوتا ہی پس وکالت اسواسطے کہ اسکا مقصود یعنے مال شرکت متحقق ہوتا کہ جو کچھ حاصل ہو وہ دونون مین مشترک ہو اور کفالت اسواسطے کہ جو چیز لوازم تجارت سے ہی اسمین مساوات ثابت ہو یعنے مطالبہ ان دونون کی طرف متوجہ ہو۔ قال وما یشتریہ کل واحد منہما یکون علی الشرکۃ الا طعام اہلہ وکسوتہم۔ وکذا الکسوۃ وکذا الادام لان مقتضی العقد المساواۃ وکل واحد منہما قائم مقام صاحبہ فی التصرف وکان شراء احدہما کشرائہما الا ما استثناہ فی الکتاب وہو استحسان لانہ مستثنی عن المفاوضۃ للضرورۃ فان الحاجۃ الراتبۃ معلومۃ الوقوع ولا یمکن ایجابہ علی صاحبہ ولا التصرف من مالہ ولا بد من الشراء فیختص بہ ضرورۃ والقیاس ان یکون علی الشرکۃ لما بینا۔ اور دونون متفاوضین مین سے جو کوئی کچھ خریدے وہ شرکت پر ہوگا سوائے اپنے اہل وعیال کے کھانے وکپڑے کے اور اسی طرح اپنا کپڑا اور اسی طرح رونی کے ساتھ کھانے کی چیز یہ شرکت سے مستثنی ہین اسواسطے کہ عقد مفاوضہ کا مقتضی یہ ہی کہ دونون مین مساوات ہو اور تصرف مین ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہی اور ایکی خرید بمنزلہ دونون کی خرید کے ہوگی سوائے اُس چیز کے جسکو کتاب مین مستثنی کیا ہی اور یہ استحسان ہی کیونکہ بضرورت یہ مفاوضہ سے مستثنی ہی کیونکہ روزانہ حاجت کا واقع ہونا معلوم ہی اور ساتھی پر اسکا واجب کرنا ممکن نہین اور نہ اُسکے مال سے صرف کرنا ممکن ہی اور خریدنا بھی ضرور ہی تو یہ خاصکر ہر ایک شریک پر ہوگی اور قیاس یہ چاہتا تھا کہ یہ بھی شرکت پر ہو کیونکہ عقد مقتضی شرکت ہی ف ــــ یعنی قیاس کو چھوڑکر استحساناً ہمنے بوجہ ضرورت کے مستثنی کیا۔ وللبائع ان یاخذ بالثمن ایہما شاء المشتری بالاصالۃ وصاحبہ بالکفالۃ ویرجع الکفیل علی المشتری بجمیعہ بما ادی لانہ قضی دینا علیہ من مال مشترک بینہما۔ متفاوضین مین سے جسنے کوئی چیز خریدی تو بائع کو اختیار ہی کہ دونون مین سے جس سے چاہے دامون کا مطالبہ کرے چاہے اصل مشتری سے بوجہ اصالت کے اور چاہے اُسکے ساتھی سے بوجہ کفالت کے پھر کفیل نے جو کچھ ادا کیا بقدر حصہ کے مشتری سے واپس لیگا کیونکہ ساتھی پر جو قرضہ تھا وہ دوسرے نے باہمی مال مشترک سے ادا کیا ہی۔ قال وما یلزم کل واحد منہما من الدیون بسبب یصح فیہ الاشتراک فالآخر ضامن لہ تحقیقا للمساواۃ فما یصح فیہ الاشتراک الشراء والبیع والاستیجار ومن القسم الآخر الجنایۃ والنکاح والخلع والصلح عن دم العمد وعن النفقۃ۔ اور جس چیز مین شرکت صحیح ہی اسکے عوض جو قرضہ کہ متفاوضین مین سے ایک پر لازم ہو تو دوسرا شریک اُنکا ضامن ہی تاکہ دونون مین مساوات متحقق رہے پس جنمین اشتراک صحیح ہی وہ خرید وفروخت واجارہ لینا۔ اور دوسری قسم جنمین اشتراک نہین صحیح ہی وہ جنایت قتل وغیرہ اور نکاح وخلع اور عمد خون سے صلح اور نفقہ سے صلح ہی ف ــــ پس خرید وفروخت کی صورت ظاہر ہی لیکن بیع صحیح مین ثمن کا ضامن ہوگا یعنے جو دام ٹھہرے ہون اور بیع فاسد مین اُسکی چیز کی قیمت کا ضامن ہوگا یعنے بازار مین جو اسکی قیمت ہو اور اجارہ لینے کی صورت یہ ہی کہ دونون متفاوضین مین سے ایک نے اس کا رتجارت مین کوئی مزدور یا جانور یا کوئی دوسری چیز کرایہ کی تو کرایہ دینے والے کو اختیار ہی کہ اپنا کرایہ دونون مین سے جس سے چاہے وصول کرے کیونکہ کار تجارت مین ہر ایک دوسرے کا کفیل ہی اور سوائے کار تجارت کے جو کچھ کسی پر لازم آوے وہ اُسی سے مخصوص ہوگا

Marfat.com

مثلاً متفاوضین مین سے ایک پر کسی نے خطا سے زخمی کرلے کا دعوی کیا جسکا کچھ جرمانہ معین ہی اور متفاوض نے انکار کیا پس مجروح نے چاہا کہ دوسرے شریک سے قسم لے تو اُسکو یہ اختیار نہین ہی اور دوسرا شریک اُسکا خصم نہوگا اور اگر متفاوضین ایک مرد و ایک عورت ہو پھر عورت نے اپنے شوہر سے خلع لیا تو عوض خلع جو عورت پر لازم آیا تو اُسکا شریک اس عوض کا ضامن نہین ہی اسی طرح اگر متفاوض مرد پر اسکی زوجہ کا مہر لازم آیا یا اُسنے عمداً قتل کرکے مال پر صلح کی تو اپنی زوجہ کے نفقہ سے کچھ مال معین پر صلح کی تو اُسکا شریک اس مال کا ضامن نہین ہی ع- قال ولو کفل احدہما بمال عن اجنبی لزم صاحبہ عند ابی حنیفۃ رح وقالا لا یلزمہ لانہ تبرع ولہذا لا یصح من الصبی والعبد المأذون والمکاتب ولو صدر من المریض یصح من الثلث وصار کالاقراض والکفالۃ بالنفس ولابی حنیفۃ رح انہ تبرع ابتداءً ومعاوضۃ بقاءً لانہ یستوجب الضمان بما یودی علی المکفول عنہ اذا کانت الکفالۃ بامرہ فباعتبار البقاء تتضمنہ المفاوضۃ وبالنظر الی الابتداء لم تصح ممن ذکرہ ویصح من الثلث من المریض بخلاف الکفالۃ بالنفس لانہ تبرع ابتداءً وانتہاءً واما الاقراض فعن ابی حنیفۃ رح انہ یلزم صاحبہ ولو سلم فہو اعارۃ فیکون لمثلہا حکم عینہا لا حکم البدل حتی لا یصح فیہ الاجل فلا تتحقق معاوضۃ ولو کانت بغیر امرہ لم تلزم صاحبہ فی الصحیح لانعدام معنی المفاوضۃ ومطلق الجواب فی الکتاب محمول علی المقید وضمان التعدی والاستہلاک بمنزلۃ الکفالۃ عند ابی حنیفۃ رح لانہ معاوضۃ انتہاءً- اگر دونون متفاوضین مین سے ایک شخص کی طرف سے جو تجارت مین انکا شریک نہین ہی کچھ مال کی ضمانت کی تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک دوسرے ساتھی پر بھی لازم ہوگی (یعنے اجنبی کی اجازت سے کفالت کی) اور صاحبین نے کہا کہ شریک پر لازم نہین ہی کیونکہ یہ کفالت محض احسان ہی اسی واسطے طفل وغلام ماذون ومکاتب کی طرف سے صحیح نہین ہوتی ہی اور اگر مرض الموت کے مریض نے ایسی کفالت کی تو صرف تہائی سے صحیح ہوتی ہی اور یہ کفالت ایسی ہوگئی جیسے کسی کو قرض دینا یا اُسکے نفس کی کفالت کرنا یعنے بالاتفاق دوسرا اسکا ضامن نہین ہی اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہی کہ یہ کفالت ابتدا مین احسان ہی مگر آیندہ معاوضہ ہی کیونکہ جب اُسنے مکفول عنہ کی طرف سے مال کفالت ادا کیا تو مکفول عنہ پر اسکی ضمانت واجب ہوئی جبکہ کفالت اُسکے کہنے سے ہو تو بلحاظ زمانہ آیندہ کے عقد مفاوضہ اسکو بھی متضمن ہی اور بنظر ابتدا کے طفل وغلام ماذون ومکاتب سے صحیح نہین ہی اور مریض کی طرف سے صرف تہائی مال سے صحیح ہی بخلاف کفالت نفس کے کیونکہ یہ ابتدا وانتہا دونون مین احسان ہی اور رہا قرض دینا تو امام ابو حنیفہ سے روایت ہی کہ یہ بھی دوسرے شریک پر لازم ہوگا اور اگر مان لیا جاوے کہ نہین لازم ہوگا تو صرف عاریت دینا ہوتا ہی تو مقروض نے جو اُسکے مثل ادا کیا وہ بمنزلہ مال عین کے ہی اور عوض کے حکم مین نہین ہی حتی کہ اسمین میعاد لگانا صحیح نہین ہوتا تو معاوضہ ثابت نہوا اور اگر اجنبی کے بغیر حکم یہ کفالت کی ہو تو صحیح قول مین دوسرے شریک پر لازم نہوگی کیونکہ مفاوضہ کے معنے نہ رہے اور کتاب مین جو مطلق مذکور ہی وہ مقید پر محمول ہی یعنے مراد یہ کہ مکفول عنہ کے حکم سے اگر کفالت کی تو دوسرے پر لازم ہی اور اگر کسی نے دوسرے کا مال غصب کیا یا تلف کیا تھا اسکی ضمانت کرلی تو ابو حنیفہ کے نزدیک بمنزلہ کفالت کے ہی یعنے دوسرے شریک پر لازم ہوگی کیونکہ یہ انتہا مین معاوضہ ہی یعنے جب اُسکے حکم سے ضمانت کی تو بعد ادا کے اُسپر لازم ہوگی- قال فان ورث احدہما مالا یصح فیہ الشرکۃ او وہب لہ ووصل الی یدہ بطلت المفاوضۃ وصارت عنانا لفوات المساواۃ فیما یصلح راس المال اذ ہی شرط فیہ ابتداءً وبقاءً وہذا لان الآخر لا یشارکہ فیما اصابہ لانعدام السبب فی حقہ الا انہا تنقلب عنانا للامکان فان المساواۃ لیس بشرط فیہ ولدوامہ حکم الابتداء لکونہ غیر لازم- پھر اگر دونون متفاوضین مین سے

ایک نے ایسا مال میراث پایا جسمین شرکت صحیح ہی یا اُسکو ہبہ کیا گیا اور اُسکے قبضہ مین آگیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہوکر شرکت عنان ہوگئی کیونکہ جو مال اس قابل ہی کہ راس المال ہوسکے اُسمین مساوات نہین رہی حالانکہ اس شرکت مین مساوات ہر حالت ابتدا و حالت بقاء دونون مین شرط ہی پس مفاوضت نہین رہی کیونکہ ایک نے جو کچھ مال پایا اُسمین دوسرا شریک مقدار نہین ہوسکتا کیونکہ اُسکے حق مین کوئی سبب نہین ہی مگر شرکت مفاوضہ بدل کر شرکت عنان ہوگئی کیونکہ وہ یہان ممکن ہی اسلیے کہ شرکت عنان مین مساوات شرط نہین ہی اور شرکت عنان کے دوام کے واسطے ابتدا کا حکم ہی لینے جو حکم اُسکی ابتدا کے واسطے ہی وہی اُسکے دوام کے واسطے ہی کیونکہ یہ عقد لازمی نہین ہی۔ فان ورث احدہما عرضا فہو لہ ولا تفسد المفاوضۃ وکذا العقار لانہ لا یصح فیہ الشرکۃ فلا یشترط المساواۃ فیہ۔ اور اگر متفاوضین مین سے ایک نے کوئی اسباب میراث پایا تو وہ اُسی کے واسطے ہی اور شرکت مفاوضہ فاسد نہوگی اور یہی عقار کا حکم ہی یعنے اگر زمین وگھر میراث پایا تو بھی اُسی کا ہی اور مفاوضت باطل نہوگی کیونکہ یہ ایسا مال ہی جسمین شرکت صحیح نہین ہی تو ایسے مال مین دونون کا مساوی ہونا بھی شرط نہین ہی ۔۔۔ حاصل یہ ہوا کہ شرکت مفاوضہ مین تجارتی امور مین دونون شریک ایکدوسرے کے وکیل وکفیل ہوتے ہین اور تجارت کے واسطے جو مال دونون نے راس المال ٹھہرایا اُسمین دونون کا مساوی ہونا جیسے ابتدا مین شرط ہی ویسے ہی جبتک باقی رہے برابر مساوات شرط ہوگی اور جو مال قابل شرکت نہین ہی اُسمین مساوات شرط نہین ہی لہذا جو اموال قابل شرکت ہین اُنکا بیان کرنا ضرور ہی چنانچہ بیان فرمایا۔ فصل۔ ولا ینعقد الشرکۃ الا بالدراہم والدنانیر والفلوس النافقۃ وقال مالک رح یجوز بالعروض والکیل والموزون اذا کان الجنس واحدا لانہا عقدت علی راس مال معلوم فاشبہت النقود بخلاف المضاربۃ لان القیاس یابا ہا لما فیہا من ربح مالم یضمن فتقتصر علی مورد الشرع ولنا انہ یودی الی ربح مالم یضمن لانہ اذا باع کل واحد منہما راس مالہ وتفاضل الثمنان فما یستحقہ احدہما من الزیادۃ فی مال صاحبہ ربح مالم یملک ومالم یضمن بخلاف الدراہم والدنانیر لان ثمن ما یشتریہ فی ذمتہ اذ ہی لا تتعین فکان ربح ما لم یضمن ولان اول التصرف فی العروض البیع وفی النقود الشراء وبیع احدہما مالہ علی ان یکون الآخر شریکا فی ثمنہ لا یجوز وشراء احدہما شیئا بمالہ علی ان یکون المبیع بینہ وبین غیرہ جائز واما الفلوس النافقۃ ترویج رواج الاثمان فالحقت بہا قالوا ہذا قول محمد رح لانہا ملحقۃ بالنقود عندہ حتی لا تتعین بالتعیین ولا یجوز بیع اثنین بواحد باعیانہا علی ما عرف اما عند ابی حنیفۃ رح وابی یوسف رح لا یجوز الشرکۃ والمضاربۃ بہا لان ثمنیتہا تبدل ساعۃ فساعۃ وتصیر سلعا وروی عن ابی یوسف رح مثل قول محمد رح والاول اقیس واظہر وعن ابی حنیفۃ رح صحۃ المضاربۃ بہا۔ واضح ہو کہ شرکت مفاوضہ کا انعقاد کسی مال سے نہین ہوتا سوائے درم ودینار ورائج فلوس کے یعنے جن پیسون کا چلن ہو اور امام مالک نے کہا کہ اسباب اور کیلی چیزون اور وزنی چیزون سے بھی انعقاد ہوتا ہی بشرطیکہ جنس واحد ہو یعنے جو چیزین پیمانہ سے بکتی ہین اور جو چیزین وزن سے بکتی ہین جب دونون کے پاس ایک ہی جنس کے مساوی ہون تو شرکت مفاوضہ منعقد ہوجائیگی کیونکہ یہ عقد بھی راس المال معلوم پر واقع ہوا تو نقود کے مشابہ ہوگیا یعنے موافق قیاس ہی بخلاف مضاربت کے (جو ایک شخص دوسرے کو اپنا مال بطور امانت اس غرض سے دیتا ہی کہ وہ اس مال سے تجارت کرکے جو نفع اُٹھاوے وہ مالک مال وتاجر کے درمیان تقسیم ہو تو یہ سوائے نقد کے نہین جائز ہی) اسواسطے کہ قیاس اس سے انکار کرتا ہی کیونکہ اسمین ایسے مال سے نفع ہی جو مضمون نہین ہی بلکہ امانت ہی تو جہانتک نفع وارد ہوا ہی وہین تک محدود ہوگا (اور مفاوضہ مین دونون شریک اس مال سے کام کرتے اور نفع کماتے ہین تو اسمین

Marfat.com

نقود و غیر نقود مثل اسباب وغیرہ کے یکسان ہین) اور ہماری دلیل یہ ہی کہ اسباب پر شرکت معاوضہ بھی انجام کو ایک جانب بہد پنچاتی ہی کہ ایسی چیز سے نفع لیا گیا جو ابھی ضمانت مین نہین ہی کیونکہ اگر ہر مفاوض نے اپنا راس المال فروخت کیا حالانکہ دونون کے دام مین کمی بیشی ہی (مثلاً ہر ایک کا مال ایک ہزار کی قیمت رکھتا ہی پھر ایک نے اپنا اسباب دو ہزار کو اور دوسرے نے تین ہزار کو فروخت کیا) تو ایک نے اپنے ساتھی کے مال سے باستحقاق شرکت نفع زایدہ پایا وہ ایسے ہی اسباب کا نفع ہی جسکا وہ مالک نہ تھا اور ہنوز وہ ضمانت مین نہین آیا تھا بخلاف درم و دینار نقد کے اسلیے کہ جو ایک نے خریدا اُسکے دام اُسکے ذمہ ہین کیونکہ خرید مین نقد کا تعین نہین ہوتا ہی تو یہ ایسے مال کا نفع ہی جو ضمانت مین آچکا اور اسلیے کہ اسباب مین پہلا تصرف یہ ہی کہ فروخت کرے اور نقود مین پہلا تصرف یہ ہی کہ خریدے حالانکہ ایک مفاوض شریک کا اپنا مال اس شرط پر فروخت کرنا کہ دوسرا اُسکے دامون مین اُسکا شریک ہو نہین جائز ہی اور ایک کا کوئی چیز اپنے مال سے خریدنا اس شرط پر کہ دوسرا اُسکا شریک ہو یعنے مبیع دونون مین مشترک ہو جائز ہی (پس سوائے نقود کے دیگر اسباب سے جواز نہین رہا اور رہے وہ فلوس جنکا چلن جاری ہی تو روپیہ و اشرفی کی طرح وہ چلتے ہین پس وہ بھی نقد مین شامل کیے گئے اور متاخرین مشائخ نے فرمایا کہ یہ امام محمد کا قول ہی کیونکہ امام محمد کے نزدیک فلوس بھی نقد کے ساتھ لاحق کیے گئے ہین یہانتک کہ درم و دینار کی طرح معین کرنے سے متعین نہین ہوتے ہین (مثلاً دو آنہ کو کوئی چیز خریدی تو مشتری کو اختیار ہی کہ چاہے وہی پیسہ دیدے جو خرید ٹھہرانے کے وقت ہاتھ مین ہین یا دوسرے پیسہ دیدے کیونکہ معین کرنے سے وہ متعین نہین ہوئے) اور معین دو پیسون کو بعوض معین ایک پیسہ کے فروخت کرنا بھی نہین جائز ہی چنانچہ اصول مین معلوم ہو چکا پس معین کرنا بیفائدہ ہی اور ابو حنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک فلوس سے شرکت و مضاربت نہین جائز ہی کیونکہ فلوس کا ثمن ہونا دم بدم بدلتا ہی اور جب اُنکا چلن جاتا رہا تو وہ مثل اسباب کے ہو جاتے ہین اور ابو یوسف سے مثل محمد کے بھی مروی ہی لیکن ابو حنیفہ کے ساتھ ہونا قیاس سے زیادہ موافق اور زیادہ ظاہر ہی اور ابو حنیفہ سے بھی یہ روایت ہی کہ فلوس کے ساتھ مضاربت صحیح ہی۔ قال و لایجوز الشرکۃ بما سوی ذلک الاان یتعامل الناس بالتبر والنقرۃ فتصح الشرکۃ بہما ہکذا ذکر فی الکتاب۔ قدوری نے فرمایا کہ ان مالون کے سوائے دوسری چیز سے شرکت جائز نہین ہی مگر اس صورت مین کہ لوگ پتھرون یا گلائی ہوئی چاندی سے باہم شرکت مفاوضہ کا معاملہ کرتے ہون تو ان دونون چیزون سے بھی شرکت جائز ہو جائیگی یعنے اگر وہ گون مین بغیر سکہ کے سونا و چاندی سے شرکت مفاوضہ کا معاملہ جاری ہو تو جائز ہوگا ایسا ہی شیخ قدوری نے اپنی مختصر مین ذکر کیا ہی اور یہ ظاہرا مخالف قول جامع صغیر ہی چنانچہ فرمایا۔ وفی الجامع الصغیر ولا یکون المفاوضۃ بشیٔ قیل ذہب او فضۃ ومرادہ التبر فعلی ہذہ الروایۃ التبر سلعۃ یتعین بالتعیین فلا یصلح راس المال فی المضاربات والشرکات وذکر فی کتاب الصرف ان النقرۃ لا یتعین حتی لا تفسخ العقد بہلاکہ قبل التسلیم فعلی تلک الروایۃ یصلح راس المال فیہما وہذا لما عرف انہا خلقا ثمنین فی الاصل الا ان الاول اصح لانہا وان خلقت للتجارۃ فی الاصل لکن التمنیۃ تختص بالضرب المخصوص لان عند ذلک لا یصرف الی شیٔ آخر ظاہرا الا ان یجری التعامل باستعمالہا ثمنا فینزل التعامل بمنزلۃ الضرب فیکون ثمنا ویصلح راس المال ثم قولہ ولا یجوز بما سوی ذلک یتناول الکیل والموزون والعددی المتقارب و لا خلاف فیہ بیننا قبل الخلط ولکل واحد منہما بیع متاعہ وعلیہ ضیعتہ وان خلطا ثم اشترکا فکذلک فی قول ابی یوسف رح والشرکۃ شرکۃ ملک لا شرکۃ عقد وعند محمد رح تصح شرکۃ العقد وثمرۃ الاختلاف تظہر عند التناقض

Marfat.com

فی الحالین واشترط التفاضل فی الربح فظاہر الروایۃ ماقالہ ابو یوسف رح لانہ یتعین بالتعیین بعد الخلط کما یتعین قبلہ ولمحمد رح انہا ثمن من وجہ حتی جاز البیع بہا دینا فی الذمۃ وبیع من حیث انہ یتعین بالتعیین فعلمنا بالشبہین بالاضافۃ الی الحالین بخلاف العروض لانہا لیست ثمنا بحال ولو اختلف جنسا کالحنطۃ والشعیر والزیت والسمن فخلطا لاینعقد الشرکۃ بہا بالاتفاق والفرق لمحمد رح ان المخلوط من جنس واحد من ذوات الامثال ومن جنسین من ذوات القیم فلتمکن الجہالۃ کما فی العروض واذا لم تصح الشرکۃ فحکم الخلط قد بیناہ فی کتاب القضاء۔ اور جامع صغیر مین ہی کہ سونے یا چاندی کے مثقالون سے شرکت مفاوضہ نہین اولی ہی مثقال سے امام محمد کی مراد پترہن پس اس روایت پر پترا ایسا اسباب ہی کہ معین کرنے سے متعین ہوجاتا ہی تو مضاربت یا شرکت کے عقود مین راس المال نہین ہوسکتا اور جامع صغیر کی کتاب الصرف مین مذکور ہی کہ گلوئی چاندی جو سکہ دار نہو وہ بھی متعین نہین ہوتی حتی کہ بیع مین پرد کرنے سے پہلے اگر تلف ہوجاے تو عقد بیع نہوگا پس اس روایت پر گلوئی اور پتر بھی شرکت ومضاربت مین راس المال ہوسکتے ہین اور اسکی وجہ یہ ہی کہ سونا اور چاندی اصلی خلقت مین ثمن پیدا کیے گئے ہین خواہ سکہ دار ہون یا نہون لیکن روایت اول اصح ہی کیونکہ سونا چاندی اگرچہ اصلی خلقت مین تجارت کے واسطے مخلوق ہین لیکن انکا ثمن ہونا مخصوص بضرب سکہ ہی کیونکہ ایسی حالت مین بلا ہر انکو دوسرے کام مین صرف نہین کرتے ہین لیکن اگر انکو بطور ثمن استعمال کرنا بدون سکہ کے لوگون مین جاری ہوجاے تو باہمی معاملہ بمنزلہ ضرب سکہ کے ہوگا پس مطلقاً ثمن ہوجائینگے اور راس المال ہونے کے لائق ہونگے رہا شیخ قدوری کا یہ قول کہ انکے سوائے دوسری چیزون سے شرکت نہین جائز ہی تو اسمین کیلی ووزنی چیزین اور جو گنتی سے فروخت ہوتی ہین اور باہم برابر کے قریب ہون جیسے انڈے واخروٹ یہ سب چیزین بھی داخل ہین یعنی شرکت کا راس المال نہونگی اور اسمین ہمارے علماء کے نزدیک کچھ اختلاف نہین جبکہ خلط سے پہلے ہو یعنی باہم ملا دینے سے پہلے شرکت عقد ان چیزون پر نہین ہوسکتا اور دونون مین سے ہر شریک کے واسطے اپنی متاع کا نفع مخصوص ہوگا اور گنتی بھی ای پڑیگی اور اگر دونون نے خلط کردیا پھر عقد شرکت باندھا تو بھی ابو یوسف کے نزدیک یہی حکم ہی اور یہ شرکت ملکی ہوگی یعنی دونون کی ملکیت باہم مخلوط ہی اور یہ شرکت عقد نہوگی اور امام محمد کے نزدیک شرکت عقد صحیح ہی اور اس اختلاف کا ثمرہ ایسی صورت مین ظاہر ہوگا کہ دونون مال باہم برابر ہون اور نفع مین کمی بیشی مشروط ہو یعنے مثلاً ایک کے واسطے نفع مین دو تہائی اور دوسرے کے واسطے ایک تہائی شرط ہو تو ابو یوسف کے نزدیک نہین جائز ہی بلکہ ہر ایک کو اپنے مال کا نفع ملیگا اور یہی ظاہر الروایۃ ہی کیونکہ یہ مال بعد خلط کے بھی معین کرنے سے متعین ہوجاتا ہی جیسے خلط سے پہلے تھا اور امام محمد کی دلیل یہ ہی کہ ایسا مال ایک راہ سے ثمن ہی حتی کہ بیع الکے عوض مین اپنے ذمہ قرضہ رکھکر جائز ہی مثلاً کسی شخص سے کوئی چیز بعوض مرغی کے دس انڈون کے یا پانچ سیر گیہون کے یا تین سیر لوہے کے خریدی اسطرح کہ یہ انڈے یا گیہون یا لوہا بشتری کے ذمہ اُدھار قرضہ ہی تو جائز ہی پس اس راہ سے یہ ثمن ہین) اور ایک راہ سے مبیع ہوتے ہین کہ معین کرنے سے متعین ہوجاتے ہین تو اسمین دو شابہت ہوئین پس ہمنے دونون شابہتون پر عمل کیا کہ قبل خلط کے انکو مبیع قرار دیا اور کہا کہ شرکت نہین جائز ہی اور بعد خلط کے ثمن قرار دیا حتی کہ شرکت جائز ٹھہری بخلاف دیگر اسباب کے یعنی مانند تخت وکرسی وصندوق وغیرہ کے کہ یہ کسی حال مین ثمن نہین ہوتے ہین (پھر یہ سب اختلاف اُس صورت مین کہ کیلی ووزنی وعددی دونون کے پاس جنس واحد ہون) اور اگر دونون کی جنس مختلف ہو جیسے ایک کے پاس گیہون اور دوسرے کے پاس جو ہون یا ایک کے پاس روغن زیتون اور دوسرے کے پاس گھی ہو

Marfat.com

پھر اگر دونون نے خلط کر دیا تو بھی بالاتفاق عقد شرکت نہین ہوسکتا ہی حتی کہ امام مالک و امام محمد بھی متفق ہین (بس امام محمد کے نزدیک جنس واحد مین بعد خلط کے شرکت جائز ہی اور جنس مختلف مین نہین جائز ہی) اور فرق یہ ہی کہ ایک جنس کے مخلوط مین وہ شی مثلی چیزون مین سے ہی یعنے اگر کوئی شخص تلف کر دے تو اُسکے مثل اسکا قائم مقام ہوسکتی ہی اور دو جنسون کا مخلوط مثلی نہین بلکہ قیمی ہی یعنے تلف کنندہ پر اسکی مثل نہین بلکہ اسکی قیمت واجب ہوسکتی ہی پس جہالت پیدا ہوگئی یعنی ہر شریک کو بٹوارے کے وقت اپنا عین مال نہین مل سکتا جیسے اسباب مین ہوتا ہی اور جب شرکت صحیح نہوئی تو خلط کا جو حکم ہی وہ ہمنے کتاب القضا مین بیان کیا ہی ف بلکہ کتاب الوکالت مین بیان کیا ہی۔ الغنایۃ بالکفایۃ المنتہی مین مذکور ہوا ع۔ قال واذا اراد الشرکۃ بالعروض باع کل واحد منہما نصف مال بنصف مال الآخر ثم عقدا الشرکۃ قال زفر وہذا شرکۃ ملک لما بینا ان العروض لا تصح رأس مال الشرکۃ وتاویلہ اذا کان قیمۃ متاعہما علی السواء ولو کانت بینہما تفاوت یبیع صاحب الاقل بقدر ما تثبت بہ الشرکۃ۔ اور جب دو شخصون نے اسباب کے ذریعہ سے شرکت کرنی چاہی تو ہر ایک اپنے نصف مال کو بعوض دوسرے کے نصف مال کے فروخت کرے پھر دونون عقد شرکت باندھین شیخ مصنف نے فرمایا کہ یہ شرکت ملک ہی کیونکہ ہمنے بیان کر دیا کہ شرکت کا راس المال یہ اسباب نہین ہوسکتا ہی اور جو مسئلہ مذکور ہوا اسکی تاویل یہ ہی کہ دونون کے اسباب کی قیمت برابر ہو اور اگر دونون مین تفاوت ہو تو کم مال والا اپنے مال مین سے دوسرے کے اسباب سے اُسی قدر کے عوض فروخت کرے جس سے شرکت ثابت ہو ف مثلاً ایک کے اسباب کی قیمت چار سو درم اور دوسرے کے اسباب کی قیمت سو درم ہی تو دوسرا اپنے اسباب کے پانچ حصون مین سے چار حصہ بعوض دوسرے کے پانچوین حصہ کے فروخت کر دے تو خلط سے کل اسباب پانچ حصہ ہونگے جنمین ایک حصہ کم مال والے کا ہی پس اُسکو نفع کا بھی پانچوان حصہ لیگا۔ قال واما شرکۃ العنان فتنعقد علی الوکالۃ دون الکفالۃ وہی ان تشترک اثنان فی نوع من التجارۃ وطعام او تشترک فی عموم التجارات ولا نذکر ان الکفالۃ وانعقادہ علی الوکالۃ لتحقق مقصودہ کما بیناہ ولا ینعقد علی الکفالۃ لان اللفظ مشتق من الاعراض یقال عن لہ اے اعرض وہذا لا یبنی عن الکفالۃ وحکم التصرف لا یثبت بخلاف مقتضی اللفظ۔ قدوری نے شرکت عنان کے بیان مین فرمایا کہ وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہی اور کفالت پر منعقد نہین ہوتی ہی اس طور پر کہ دو شخص کپڑے یا اناج کی تجارت مین شرکت کرین یا عموماً ہر قسم کی تجارات مین شرکت کرین اور کفالت کا ذکر نکرین پس وکالت پر انعقاد اسواسطے ہی کہ مقصود شرکت حاصل ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور یہ کفالت پر منعقد نہوگی کیونکہ عنان کے معنی منہ موڑنے کے آتے ہین اور اس سے کفالت ظاہر نہین ہوتی اور مقتضاے لفظ کے خلاف کوئی حکم ثابت نہین ہوتا۔ ویصح التفاضل فی المال لحاجۃ الیہ ولیس من قضیۃ اللفظ المساواۃ اور دونون کے مال مین کمی بیشی ہونا صحیح ہی کیونکہ اسکی ضرورت ہی اور لفظ عنان اُسکو مقتضی نہین کہ دونون مین مساوات ہو۔ ویصح ان یتساویا فی المال ویتفاضلا فی الربح وقال زفر والشافعی رح لا یجوز ان التفاضل فیہ یودی الی ربح مالم یضمن فان المال اذا کان لنصفین والربح اثلاثا فصاحب الزیادۃ یستحقہا بلا ضمان اذ الضمان بقدر راس المال ولان الشرکۃ عندہما فی الربح بشرکۃ فی الاصل ولہذا یشترطان نخلط فصار ربح المال بمنزلۃ نماء الاعیان فیستحق بقدر الملک فی الاصل ولنا قولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الربح علی ما شرطا والوضیعۃ علی قدر المالین ولم یفصل ولان الربح کما یستحق بالمال یستحق بالعمل کما فی المضاربۃ وقد یکون احدہما احذق واہدی واکثر عملا واقوی فلا یرضی بالمساواۃ فمست الحاجۃ الی التفاضل بخلاف

Marfat.com

اشتراط جمیع الربح لاحدہما لانہ یخرج العقد بہ من الشرکۃ ومن المضاربۃ ایضا الی قرض باشتراط
للفاضل او الی بضاعۃ باشتراط لرب المال وہذا العقد شبہ المضاربۃ من حیث انہ یعمل فی مال الشریک
ویشبہ الشرکۃ اسما وحکما فانہما یعملان فعلنا بشبہ المضاربۃ وقلنا یصح اشتراط الربح من غیر ضمان و
یشبہ الشرکۃ حتی لا یبطل باشتراط العمل علیہما۔ اور اگر دونون کا مال برابر ہو اور نفع مین کسی کے واسطے زیادتی
کی شرط ہو تو صحیح ہی یعنے مثلاً ایک کے واسطے دو تہائی اور دوسرے کے واسطے ایک تہائی شرط ہو تو جائز ہی اور زفر
و شافعی رح نے فرمایا کہ نہین جائز ہی کیونکہ نفع مین زیادتی اس جانب پہونچتی ہی کہ جو چیز بمضمون نہین اسکا نفع لیا جاتا ہی
چنانچہ مال جب برابر ہوا اور نفع ایک کے واسطے دو تہائی اور دوسرے کے واسطے تہائی ہوا تو جسکے واسطے ایک تہائی
زائد ہی وہ بغیر ضمان اسکا مستحق ہوا اسواسطے کہ ضمانت تو بقدر راس المال ہی اور دوسری وجہ یہ ہی کہ زفر و شافعی کے
نزدیک اصل مال مین شرکت کی وجہ سے نفع مین شرکت ہوتی ہی اسی واسطے دونون کے نزدیک اصل مال مین خلط
ہونا شرط ہی تو مال کا نفع ایسا ہوگیا جیسے مال عین بڑھا ور ہوتی ہی یعنے جیسے بکریون کے بچہ ہوکر زیادتی ہوجاتی ہی تو
اصل مال مین جسقدر ملک ہوا اسی حساب سے نفع کا استحقاق ہوگا اور ہماری دلیل یہ حدیث ہی کہ نفع دونون کی شرط
پر ہوگا اور گھٹی بقدر مال کے ہوگی۔ اس روایت مین کوئی تفصیل اصل مال کی برابری یا کمی بیشی کی نہین ہی (یعنے اگر
مال برابر ہو اور نفع مین کم و بیش شرط کیا تو بھی جائز ہوا بخلاف گھٹی کے کہ وہ موافق شرط نہین بلکہ بقدر مال ہوگی لیکن
یہ حدیث نہین پائی جاتی مگر حنفیہ کی کتابون مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہی۔ ت م۔ اور اس دلیل سے کہ
نفع کا استحقاق جیسے مال سے ہوتا ہی ویسے ہی کام سے ہوتا ہی جیسے مضاربت مین ہی (یعنے مضارب کو روپیہ دیا کہ وہ
تجارت کرکے نفع اٹھاوے پس نفع تین تہائی تقسیم ہو پس مال والے نے اپنے مال کی وجہ سے نفع پایا اور مضارب
نے اپنے کام کی وجہ سے نفع پایا اور کبھی دونون مین سے ایک شریک کو اس تجارت کا ڈھنگ زیادہ اور کام زیادہ آتا ہی
اور اپنے شریک سے (زیادہ قوی ہوتا ہی تو وہ برابر نفع پر راضی نہوگا تو ضرورت کی وجہ سے کم و بیش نفع جائز ہوا بخلاف
اسکے اگر کل نفع ایک ہی کے واسطے شرط ہو تو نہین جائز ہی کیونکہ ایسا کرنے سے یہ عقد شرکت سے خارج ہوجائیگا اور
مضاربت سے بھی نکل جائیگا بلکہ اگر خاص کام کرنے کے واسطے پورا نفع شرط ہو تو یہ قرض ہوجائیگا اور اگر سب نفع اک
مال کے واسطے شرط ہو لیکن یہ عقد ایسا ہی کہ ابتدا مین مضاربت کے مشابہ ہی اس راہ سے کہ وہ شریک کے مال مین کام
کرتا ہی اور یہ عقد شرکت مفاوضہ کے بھی مشابہ ہی کیونکہ نام مین شرکت اور کام مین تجارت ہوتا ہی تو اسمین دونون
مشابہتون کا عمل ہوا تو مضاربت کا عمل یہ دلایا کہ ہمنے کہا کہ بغیر ضمانت کے نفع کی شرط کرنا صحیح ہی یعنے جیسے مضاربت مین
امانتی مال مین نفع کی شرط بغیر ضمانت جائز ہی ویسی ہی شرکت عنان مین ایک شریک کے واسطے زائد نفع جائز ہی اور
دوسری شرکت مفاوضت کا عمل یہ دلایا کہ دونون شریکون پر کام شرط ہونے سے شرکت عنان باطل نہین ہوتی ہی۔
قال ویجوز ان یعقدہا کل واحد منہما بعض مالہ دون البعض لان المساواۃ فی المال لیس بشرط فیہ
اذ اللفظ لا یقتضیہ ولا یصح الا بما بینا ان المفاوضۃ تصح بہ للوجہ الذی ذکرناہ۔ اور شرکت عنان مین یہ بات
جائز ہی کہ ہر شریک اپنے تھوڑے مال کو شرکت مین ملاوے اور باقی کو نہ ملاوے کیونکہ اس شرکت مین مساوات مالی شرط
نہین ہی کیونکہ لفظ عنان اسکو مقتضی نہین ہی مگر یہ شرکت صرف اسی مال سے صحیح ہوگی جو ہم بیان کرچکے ہین یعنے درم و دینار و
فلوس رائجہ جنسے مفاوضت صحیح ہوتی ہی اور وہی وجہ ہی جو ہم وہان بیان کرچکے۔ ویجوز ان یشترکا ومن جہۃ احدہما
دنانیر ومن الآخر دراہم وکذا من احدہما دراہم بیض ومن الآخر سود وقال زفر رح والشافعی رح لا یجوز

Marfat.com

وہذا بناء علی اشتراط الخلط وعدمہ فان الخلط عندہما شرط ولا تحقق ذلک فی مختلفی الجنس وسنبینہ من بعد ان شاء اللہ تعالے۔ اور شرکت عنان مین اگر ایکی طرف سے دینار ہون اور دوسرے کی طرف سے درم ہون تو جائز ہی اور اسی طرح اگر ایک کی طرف سے دروھیا درم ہون اور دوسرے کی طرف سے کالے درم ہون تو بھی جائز ہی اور زفر وشافعی رحمہما اللہ نے کہا کہ نہین جائز ہی اور یہ اختلاف خلط وعدم خلط کی شرط پر مبنی ہی چنانچہ زفر وشافعی کے نزدیک خلط کرنا شرط ہی حالانکہ دو مختلف جنس مین خلط کا تحقق نہوگا اور ہم اسکو بعد ازان انشاء اللہ تعالے بیان کرینگے۔ قال وما اشتراہ کل واحد منہما للشرکۃ طولب بثمنہ دون الآخر لما بینا انہ یتضمن الوکالۃ دون الکفالۃ والوکیل ہو الاصیل فی الحقوق۔ اور شرکت عنان کے دونون شریکون مین سے ہر ایک نے جو کچھ شرکت کے واسطے خرید کیا اسکے دام کا مطالبہ صرف اُسی سے ہوگا دوسرے سے نہوگا کیونکہ ہم بیان کرچکے کہ شرکت عنان صرف وکالت کو متضمن ہی اور کفالت کو متضمن نہین ہی اور مطالبہ حقوق مین وکیل ہی اصل ہوتا ہی۔ قال ثم یرجع علی شریکہ بحصتہ منہ معناہ اذا ادی من مال نفسہ لانہ وکیل من جہتہ فی حصتہ فاذا نقد من مال نفسہ رجع علیہ فان کان لا یعرف ذلک الا بقولہ فعلیہ البحۃ لانہ یدعی وجوب المال فی ذمۃ الآخر وہو ینکر والقول للمنکر مع یمینہ۔ پھر جو دام ادا کیے اُسمین سے شریک سے بقدر اُسکے حصہ کے واپس لیگا اور اسکے معنی یہ ہین کہ جب اپنے مال سے ادا کیا ہو تو شریک سے حصہ رسد واپس لیگا کیونکہ وہ شریک کی طرف سے اسکے حصہ مین وکیل ہی پس جب اپنے مال سے اُسنے ادا کیا تو شریک سے واپس لیگا پس اگر یہ بات سوائے اُسکے قول کے کسی طرح معلوم نہو (مثلاً جو چیز خریدی وہ موجود نہین ہی حالانکہ وہ کہتا ہی کہ مین نے ایک غلام خریدا اور اُسکے دام ادا کردیے ہین پھر وہ غلام مرگیا اور شریک اس سے انکار کرتا ہی تو اُسپر واجب ہوگا کہ اپنے قول کے گواہ لاوے کیونکہ وہ دوسرے کے ذمہ مال واجب ہونے کا دعوی کرتا ہی اور دوسرا اس سے منکر ہی تو قسم کے ساتھ منکر کا قول قبول ہوگا ف یعنی اگر یہ گواہ نہ لایا تو قسم سے شریک منکر کا قول قبول ہوگا۔ قال واذا ہلک مال الشرکۃ او احد المالین قبل ان یشتریا شیأ بطلت الشرکۃ لان المعقود علیہ فی عقد الشرکۃ المال فانہ یتعین فیہ کما فی الہبۃ والوصیۃ وبہلاک المعقود علیہ یبطل العقد کما فی البیع بخلاف المضاربۃ والوکالۃ المفردۃ لانہ لا یتعین الثمنان فیہما بالتعیین وانما یتعینان بالقبض علی ما عرف وہذا ظاہر فیما اذا ہلک المالان وکذا اذا ہلک احدہما لانہ ما رضی بشرکۃ صاحبہ فی مالہ الا لیشترکہ فی مالہ فاذا فات ذلک لم یکن راضیا بشرکتہ فیبطل العقد لعدم فائدتہ ولہما ہلک من مال صاحبہ ان ہلک فی یدہ فظاہر وکذا اذا کان ہلک فی ید الآخر لانہ امانۃ فی یدہ بخلاف ما بعد الخلط حیث یہلک علی الشرکۃ لانہ لا تمیز فیجعل الہلاک من الحالین۔ اور اگر دونون کا مجموعہ مال شرکت یا ایک کا مال تلف ہوگیا قبل اسکے کہ مال شرکت سے کوئی چیز خریدین تو شرکت باطل ہوگئی کیونکہ جس چیز پر عقد شرکت ٹھہرا وہ مال ہی کیونکہ وہ عقد شرکت مین متعین ہوجاتا ہی جیسے ہبہ ووصیت مین متعین ہوجاتا ہی اور جس چیز پر عقد ٹھہرا اگر وہ تلف ہوجاوے تو عقد باطل ہوجاتا ہی جیسے عقد بیع مین ہوتا ہی (مثلاً جس مبیع پر بیع ٹھہری ہی اگر وہ سپرد کرنے سے پہلے تلف ہوجائے تو بیع باطل ہوجاتی ہی) بخلاف مضاربت اور تنہا وکالت کے کیونکہ مضاربت اور تنہا وکالت مین ثمن معین کرنے سے معین نہین ہوتا ہی بلکہ جب قبضہ واقع ہوجاوے تب متعین ہوتا ہی چنانچہ اپنے موقع پر اسکا بیان مذکور ہی بالجملہ مال تلف ہونے سے شرکت باطل ہوجائیگی پھر جس صورت مین دونون مال تلف ہوجاوین تو شرکت باطل ہوجانا ظاہر ہی اور اگر صرف ایک مال تلف ہو تو بھی شرکت باطل ہوگی کیونکہ جبکا مال تلف نہین ہوا وہ اپنے مال مین دوسرے کی شرکت پر صرف اسطور پر راضی ہوا تھا کہ خود بھی اُسکے

Marfat.com

مال مین شریک ہو پھر جب اُسکا مال ہی نہ رہا تو یہ اپنے مال مین شریک کرنے پر راضی نہین ہی پس عقد شرکت باطل ہوگیا کیونکہ باقی رہنا بمنزلہ عقد ہی اور دونون مین سے جس شخص کا مال تلف ہوا وہ اُسی کا مال گیا دوسرا اُسکا ضامن نہین کیونکہ اگر خود اُسکے قبضہ مین تلف ہوا تو یہ بات ظاہر ہی اور اگر شریک کے قبضہ مین تلف ہوا تو بھی ضمان نہین ہی کیونکہ یہ اُسکے قبضہ مین صرف امانت تھا بخلاف اسکے اگر خلط کر دینے کے بعد تلف ہوا تو یہ تلف شدہ شرکت پر قرار دیا جائیگا کیونکہ مال مین کسی کے واسطے امتیاز نہین ہی تو تلف ہونا دونون مالون مین سے قرار دیا جائیگا۔ وان اشتری احدہما بمالہ وہلک مال الآخر قبل الشراء فالشرکۃ بینہما علی ما شرطا لان الملک حین وقع وقع مشترکا بینہما لقیام الشرکۃ وقت الشراء فلا تتغیر الحکم بہلاک مال الآخر بعد ذلک ثم الشرکۃ عقد عند محمد رح خلافا للحسن بن زیاد حتی ان کلیہما باع جاز بیعہ لان الشرکۃ قد تمت فی المشتری فلا ینتقض بہلاک المال بعد تمامہا۔ اور اگر دونون مین سے ایک کے مال سے خرید واقع ہوئی اور دوسرے کا مال قبل خرید کے تلف ہوگیا تو جو چیز خریدی گئی وہ دونون مین موافق شرط کے مشترک ہی کیونکہ جس وقت ملک واقع ہوئی ہی تو دونون مین مشترک واقع ہوئی ہی کیونکہ خرید کے وقت دونون مین شرکت قائم تھی تو اسکے بعد دوسرے کا مال تلف ہوجانے سے حکم مذکور متغیر نہوگا پھر امام محمد کے نزدیک یہ شرکت عقد ہی حتی کہ دونون مین سے جسنے فروخت کی بیع جائز ہوگی کیونکہ خریدی ہوئی چیز مین شرکت پوری ہو چکی تھی تو پوری ہوجانے کے بعد دوسرا مال تلف ہونے سے شرکت نہین ٹوٹے گی فـــــ پس حاصل یہ ہوا کہ خریدی ہوئی چیز دونون کی ملک مشترک ہی مگر اُسکے دام صرف ایک شریک نے ادا کیے ہین۔ قال ویرجع علی شریکہ بحصتہ من ثمنہ لانہ اشتری نصفہ بوکالتہ ونقد الثمن من مال نفسہ وقد بیناہ ہذا اذا اشتری احدہما باحد المالین اولانہ ہلک مال الآخر اما اذا ہلک مال احدہما ثم اشتری الآخر بمال الآخر ان صرحا بالوکالۃ فی عقد الشرکۃ فالمشتری مشترک بینہما علی ما شرطا لان الشرکۃ ان بطلت فالوکالۃ المصرح بہا قائمۃ فکان مشترکا بحکم الوکالۃ ویکون شرکۃ ملک ویرجع علی شریکہ بحصتہ من الثمن لما بیناہ وان ذکرا مجرد الشرکۃ ولم ینصا علی الوکالۃ فیہا کان المشتری للذی اشتراہ خاصۃ لان الوقوع علی الشرکۃ حکم الوکالۃ التی تتضمنہا الشرکۃ فاذا بطلت بطل ما فی ضمنہا بخلاف ما اذا صرح بالوکالۃ لانہا مقصودۃ۔ پھر جس شریک نے دام دیے ہین وہ دوسرے سے بقدر اُسکے حصہ کے دام واپس لیگا کیونکہ بطور وکالت کے اُسنے دوسرے کا حصہ نصف خریدا ہی اور سب دام اپنے ذاتی مال سے دے دیے ہین اور ہم اسکو اوپر بیان کر چکے یہ اُس صورت مین ہی کہ ایک شریک نے ایک مال سے پہلے خریدی پھر دوسرے کا مال تلف ہوا ہی اور اگر یہ صورت ہو کہ ایک کا مال پہلے تلف ہوگیا پھر دوسرے نے اپنے مال سے چیز خریدی تو اسمین دو صورتین ہین۔ ایک یہ کہ عقد شرکت مین دونون نے وکالت کی تصریح کر دی تو اس صورت مین خریدی ہوئی چیز دونون مین موافق شرط کے مشترک ہوگی کیونکہ شرکت اگر باطل ہوئی تو وکالت مصرحہ قائم ہی تو وہ چیز بحکم وکالت مشترک ہوئی ولیکن یہ شرکت ملک ہوگی یعنے شرکت عقد نہوگی اور خریدنے والا اپنے شریک سے بقدر اُسکے حصہ کے ثمن واپس لیگا کیونکہ وہ اُسکی طرف سے وکیل تھا اور اپنے مال سے دام دیے ہین۔ اور دوسری صورت یہ کہ دونون نے صرف عقد شرکت کا ذکر کیا اور وکالت کا مصرح ذکر نہین کیا پس اس صورت مین جو چیز خریدی ہی وہ خاصۃ خریدار کی ہوگی کیونکہ شرکت پر واقع ہونا صرف اُس وکالت کی وجہ سے ہوتا جو عقد شرکت کے ضمن مین ہوتی ہی مگر جب شرکت ہی باطل ہوئی تو جو اُسکے ضمن مین وکالت تھی وہ بھی باطل ہوگئی بخلاف اسکے جب وکالت کو مصرح بیان کیا تو وہ باطل نہوگی کیونکہ وہ بالقصد بیان ہوئی ہی یعنے ضمنی نہین ہی۔ قال ویجوز الشرکۃ وان لم یخلطا المال وقال زفر رح والشافعی رح لا یجوز لان

Marfat.com

الربح فرع المال ولا يقع الفرع على الشركة الا بعد الشركة في الاصل وانه بالخلط وهذا لان المحل هو المال ولهذا يضاف اليه ويشترط تعيين رأس المال بخلاف المضاربة لانها ليست بشركة وانما هو تعليل لرب المال فيستحق الربح بعمالة كعلة اماهنا بخلافه وهذا اصل كبير لهما حتى يعتبر اتحاد الجنس ويشترط الخلط ولا يجوز التفاضل في الربح مع التساوي في المال ولا يجوز شركة التقبل والاعمال لا يقع المال ولنا ان الشركة في الربح مستندة الى العقد دون المال لان العقد يسمى شركة فلا بد من تحقق معنى هذا الاسم فيه فلم يكن الخلط شرطا ولان الدراهم والدنانير لا تتعينان فلا يستفاد الربح برأس المال وانما يستفاد بالتصرف لانه في النصف اصيل وفي النصف وكيل واذا تحققت الشركة في التصرف بدون الخلط تحققت في المستفاد به وهو الربح بدونه وصار كالمضاربة فلا يشترط اتحاد الجنس والتساوي في الربح وتصح شركة التقبل - اور شرکت جائز ہی اگرچہ دونون نے مال خلط نہ کیا ہو (اور یہی قول مالک و احمد ہی) اور زفر و شافعی نے کہا کہ نہین جائز ہی اسواسطے کہ مال اصل ہی اور نفع اسکی فرع ہی اور فرع کا مشترک ہونا جب ہی ہوگا کہ پہلے اصل مشترک ہو جاوے اور اصل کا مشترک ہونا خلط سے ہی اور نفع کا مال کے فرع ہونا اس دلیل سے ہی کہ اسکا محل مال ہی اسی واسطے نفع کو مال کی طرف مضاف کرتے ہین یعنے کہتے ہین کہ شرکت مالی سے یہ مال کا نفع ہی اور راس المال کو معین کر لینا شرط ہی بخلاف مضاربت کے کہ وہ بدون خلط کے جائز ہی اسواسطے کہ وہ شرکت نہین ہی بلکہ مضارب بصرف مالک مال کے واسطے کام کرتا ہی تو اپنے کام کی مزدوری پر نفع مین سے مستحق ہوتا ہی اور یہان اسکے برخلاف ہی یعنے دونون شریکون مین سے ہر ایک کام کرتا ہی اور یہ زفر و شافعی کے واسطے اصل کبیر ہی حتی کہ جنس متحد ہونا معتبر اور خلط کرنا شرط ہی اور مال برابر ہونے کے باوجود نفع مین کمی بیشی نہین جائز ہی اور شرکت اقسام مین سے جو شرکت تقبل و اعمال آیندہ آویگی وہ بھی اسی اصل پر نہین جائز ہی کیونکہ اسمین مال نہین ہوتا ہی اور ہماری دلیل یہ ہی کہ نفع مین شرکت ہونا عقد کی جانب مضاف ہی نہ مال کی جانب کیونکہ عقد ہی کو شرکت کہتے ہین تو اس نام کے معنی اسمین متحقق ہونا ضرور ہین تو خلط کرنا شرط نہوا اور اس دلیل سے کہ درم و دینار ایسی چیز نہین جو عقد مین متعین ہو تو نفع حاصل ہونا راس المال سے نہین ہی بلکہ اس تصرف سے ہی جو راس المال مین ہوتا ہی یعنے راس المال کے ذریعہ سے کام کرنے پر نفع ملتا ہی کیونکہ ہر شریک آدھے مین اصیل ہی اور آدھے مین وکیل ہی اور جب بدون خلط کرنے کے تصرف و کار تجارت مین شرکت متحقق ہوئی تو تصرف سے جو کچھ مستفاد ہوا یعنی نفع اسمین بھی بدون خلط کی شرکت متحقق ہوئی اور اسکا حال مثل مضاربت کے ہوگیا (پس خلاصہ یہ کہ نفع کی نسبت شافعی کے نزدیک راس المال کی طرف ہی اور ہمارے نزدیک عقد کے موافق کار تجارت کی طرف ہی) پس ہمارے نزدیک مالون کا جنس متحد ہونا اور برابر مالون مین برابر نفع ملنا کچھ شرط نہین ہی اور لوگون کے کام قبول کرنے مین عقد شرکت ٹھہرانا صحیح ہی قال ولا يجوز الشركة اذا شرط لاحدهما دراهم مسماة من الربح لانه شرط يوجب انقطاع الشركة فقد لا يخرج الا قدر المسمى لاحدهما ونظيره في المزارعة - اگر دونون شریکون مین سے ایک کے واسطے کچھ درم بیان کرکے نفع مین سے شرط کیے تو شرکت نہین جائز ہی کیونکہ یہ ایسی شرط ہی جس سے شرکت منقطع ہوئی جاتی ہی کیونکہ شاید حاصلات مین سے نفع کے اسی قدر درم ہون جو ایک کے واسطے بیان کیے گئے اور اسکی نظیر مزارعت مین ہی یعنی مالک زمین و کاشتکار مین سے اگر کسی ایک کے واسطے پیداوار مین سے چند من گیہون سوائے حصہ بٹائی کے شرط کیے تو مزارعت باطل ہی کیونکہ شاید اسی قدر پیداوار ہو۔ پھر شرکت مفاوضہ و عنان کے بعض احکام بیان

فرمائے۔ قال ولکل واحد من المفاوضین وشریکی العنان ان یبضع المال لانہ معتاد فی عقد الشرکۃ ولان لہ استاجر علی العمل والتحصیل بغیر عوض دونہ فیملکہ وکذا لہ ان یودعہ لانہ معتاد ولا یجد التاجر منہ بدا شرکت مفاوضہ کے دونون شریکون مین سے ہر ایک کو اور شرکت عنان کے دونون شریکون مین سے ہر ایک کو یہ اختیار ہی کہ مال کو بضاعت پر دے (بضاعت یہ کہ کسی تاجر کو اپنا کچھ مال دیدیا کہ وہ کوئی چیز خرید کر تجارت کرے اور جو کچھ نفع ہو مع اصل کے مالک مال کو دیدے تو ہر شریک کو اسطرح مال دینا جائز ہی) کیونکہ بضاعت دینا عقد شرکت مین بطور عادت جاری ہی اور اس دلیل سے کہ شریک کو اختیار ہی کہ کام کرنے کے واسطے کوئی مزدور مقرر کرے حالانکہ کبھی مزدوری کے ایسا آدمی حاصل ہونا ادنی درجہ ہی تو ضرور اسکا مالک ہوگا اور شریک کو یہ بھی اختیار ہی کہ مال کسی کے پاس ودیعت رکھے کیونکہ اسکی عادت جاری ہی اور کبھی تاجر کو اس سے چارہ نہین ہوتا ہی۔ قال ویدفعہ مضاربۃ لانہا دون الشرکۃ فیتضمنہا وعن ابی حنیفۃ رح انہ لیس لہ ذلک لانہ نوع شرکۃ والاصح ہو الاول وہو روایۃ الاصل لان الشرکۃ غیر مقصود وانما المقصود تحصیل الربح کما اذا استاجر باجر مثل اولی لانہ تحصیل بدون ضمان فی ذمتہ بخلاف الشرکۃ حیث لا یملکہا لان الشی لا یستتبع مثلہ۔ اور ہر ایک کو یہ بھی اختیار ہی کہ مال کو مضاربت پر دے کیونکہ وہ شرکت سے کم ہی و شرکت اسکو شامل ہی (کیونکہ شرکت کی گٹھی شریک پر پڑتی ہی اور مضارب پر نہین پڑتی ہی تو شرکت کے ضمن مین مضاربت کا اختیار حاصل ہی۔ صف۔) اور ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہی کہ اسکو مضاربت پر دینے کا اختیار نہین ہی کیونکہ مضاربت بھی ایک قسم کی شرکت ہی (تو شریک کو دوسرے سے شرکت کا اختیار نہین ہی جبکہ مال شرکت واحد ہی۔ ع۔) اور روایت اول اصح ہی اور وہی مبسوط کی روایت ہی کیونکہ مضاربت پر دینے سے شرکت مقصود نہین ہی بلکہ صرف نفع حاصل کرنا مقصود ہی جیسے کسی کو اجرت پر مقرر کرکے تجارت کا کام لے بلکہ مضاربت بدرجہ اولی جائز ہی کیونکہ یہ نفع بدون اپنے ذمہ اجرت لازم آنے کے منفعت حاصل ہوتا ہی بخلاف شرکت کے کہ شریک کو اس مال سے دوسرے کے ساتھ شرکت کرنا جائز نہین ہی کیونکہ عقد شرکت کے ضمن مین اسکے مثل شرکت کا اختیار نہین ہو سکتا ہی کیونکہ کسی شخص کے تابع ہوکر اسکے مثل نہین ثابت ہوتی ہی۔ قال ویوکل من یتصرف فیہ لان التوکیل بالبیع والشراء من توابع التجارۃ والشرکۃ انعقدت للتجارۃ بخلاف الوکیل بالشراء حیث لا یملک ان یوکل غیرہ لانہ عقد خاص طلب منہ تحصیل العین فلا یستتبع مثلہ۔ اور ہر شریک کو یہ اختیار ہی کہ مال شرکت مین کسی شخص کو وکیل کرے جو امین تجارت تصرف کرے کیونکہ خرید فروخت کے واسطے وکیل کرنا بھی تجارت کے تابع امور مین سے ہی اور شرکت اسی تجارت کے واسطے قرار پائی ہی بخلاف اسکے جو شخص فقط خریدنے کا وکیل کیا گیا ہو اسکو بغیر اجازت موکل کے یہ اختیار نہین ہی کہ اپنی طرف سے کسی دوسرے کو وکیل کرے کیونکہ یہ عقد خاص تھا جس سے ایک مال عین حاصل کرنا مقصود تھا تو اس وکیل کے عقد مین اسکے مثل وکیل کرنا تابع نہوگا۔ قال ویدہ فی المال ید امانۃ لانہ قبض المال باذن المالک لا علی وجہ البدل والوثیقۃ فصار کالودیعۃ۔ اور شرکت مفاوضہ و عنان مین سے ہر شریک کے قبضہ مین جو مال ہی وہ بطور امانت ہی کیونکہ اسنے مالک کی اجازت سے اپنے قبضہ مین لیا مگر بطور عوض کے نہین (جیسے خریدنے کے واسطے دامون کے عوض کوئی چیز لے آتا ہی کہ اگر گم گئی تو دام دینا پڑتے ہین ع۔ اور بطور مضبوطی کے بھی نہین ہی (جیسے مرتہن کا قبضہ مال رہن پر ہوتا ہی ع۔) تو اسکا حال بطور ودیعت کے ہوا ف حتی کہ اگر کسی شریک کے پاس کچھ مال تلف ہوجاوے تو وہ شرکت کا مال گیا جسکا وہ ضامن نہین ہی۔ قال وہی اما شرکۃ الصنائع وہی شرکۃ التقبل کالخیاطین والصباغین تشترکان علی ان تقبلا الاعمال ویکون

الکسب بینہما فیجوز ذلک وہذا عندنا وقال زفر والشافعی رح لایجوز لان ہذہ شرکۃ لایفید مقصودہا وہو التثمیر لانہ لابد من رأس المال وہذا لان الشرکۃ فی الربح تبتنی علی الشرکۃ فی المال علی اصلہما علی ما قررناہ ولنا ان المقصود منہ التحصیل وہو ممکن بالتوکیل لانہ لما کان وکیلا فی النصف اصیلا فی النصف تحققت الشرکۃ فی المال المستفاد ولایشترط فیہ اتحاد العمل والمکان خلافا للمالک وزفر فیہما لان المعنی المجوز للشرکۃ وہو ما ذکرناہ لایتفاوت - اور شرکت کے اقسام مین سے تیسری قسم شرکۃ الصنائع ہی اور اسی کو شرکۃ التقبل بھی کہتے ہین یعنے کام قبول کرنا جیسے دو درزیون یا دو رنگریزون نے اس شرط پر باہم شرکت کی کہ لوگون کے کام قبول کرین اور جو کچھ کمائی ہو وہ دونون مین مشترک ہو تو یہ ہمارے نزدیک جائز ہی اور زفر و شافعی نے کہا کہ نہین جائز ہی کیونکہ یہ ایسی شرکت ہی جس سے شرکت کا فائدہ نہین حاصل ہوتا یعنے نفع سے مال بڑھانا اس سے حاصل نہین ہی کیونکہ اسکے واسطے راس المال ضرور ہی اور یہ اسواسطے کہ زفر و شافعی کی اصل پر جو ہم سابق مین بیان کر چکے ہین مال کی شرکت پر نفع کی شرکت مبنی ہی اور ہماری دلیل یہ ہی کہ عقد شرکت سے مقصود یہ ہی کہ مال حاصل کیا جاوے اور یہ وکیل کرنے سے ممکن ہی کیونکہ جب ہر ایک شریک دوسرے کی طرف سے نصف مین وکیل ہوا تو نصف مین اصیل ہوا پس جو مال حاصل ہوا اسمین شرکت متحقق ہوئی اور اس شرکت مین کام اور جگہ کا متحد ہونا شرط نہین ہی کیونکہ جس معنی سے شرکت جائز ہوتی ہی یعنے تحصیل مال اسمین فرق نہین ہوتا ہی ف خواہ کام و جگہ متحد ہو یا نہو اور اسمین امام مالک و زفر کا اختلاف ہی اور زفر کا یہ اختلاف زفر سے اس روایت پر ہی کہ شرکۃ التقبل جائز ہی بشرطیکہ کام و جگہ متحد ہو - ملت - ولو شرطا العمل نصفین والمال اثلاثا جاز وفی القیاس لایجوز لان الضمان بقدر العمل فالزیادۃ علیہ ربح مالم یضمن فلم یجز العقد لتادیتہ الیہ وصار کشرکۃ الوجوہ ولکنا نقول ما یاخذہ ربحا لان الربح عند اتحاد الجنس وقد اختلف لان راس المال عمل والربح مال فکان بدل العمل والعمل تقوم بالتقویم فیتقدر بقدر ما تقوم بہ فلا یحرم بخلاف شرکۃ الوجوہ لان جنس المال متفق والربح یتحقق فی الجنس المتفق وربح مالم یضمن لایجوز الا فی المضاربۃ - اور اگر دونون نے کام آدھا آدھا اور مال تین تہائی شرط کیا یعنے دونون برابر کام کرین اور جو کچھ حاصل ہوا اسمین سے دو تہائی ایک کے واسطے اور ایک تہائی دوسرے کے واسطے ہو تو جائز ہی اور قیاس چاہتا تھا کہ جائز نہو کیونکہ ضمانت بقدر کام کے ہی تو اس سے زیادہ لینا ایسی چیز کا نفع ہی جو مضمون نہین تو عقد جائز نہوا کیونکہ عقد ہی اس نفع کی جانب پہونچاتا ہی اور مثل شرکت وجوہ کے ہو گیا ولیکن ہم استحساناً کہتے ہین کہ جو زیادتی ایک لیتا ہی وہ نفع نہین لیتا ہی کیونکہ نفع وہ ہوتا ہی جو اپنے مال کی جنس سے متحد ہو حالانکہ یہان مختلف ہی کیونکہ راس المال یہان کام ہی اور نفع مال ہی تو جو کچھ اسنے لیا وہ کام کا عوض ہی اور ہر کام کی قیمت لگائی جاتی ہی تو باہمی رضامندی سے جو اسکی قیمت لگائی گئی وہی اسکی قیمت ہی تو وہ کمی بیشی سے حرام نہوگی بخلاف شرکۃ الوجوہ کے کہ وہان جنس مال متحد ہی اور جنس متحد پر جو حاصل ہو وہ نفع ہوتا ہی اور جو چیز نہوا اسکا نفع نہین جائز ہی سوائے مضاربت کے کہ وہان باوجود مضمون نہونے کے مضارب کو نفع کا حصہ جائز ہی - قال وما یقبلہ کل واحد منہما من العمل یلزمہ ویلزم شریکہ حتی ان کل واحد منہما یطالب بالعمل ویطالب بالاجر ویبرأ الدافع بالدفع الیہ وہذا ظاہر فی المفاوضۃ وفی غیرہا استحسان والقیاس خلاف ذلک لان الشرکۃ وقعت مطلقۃ والکفالۃ یقتضی المفاوضۃ وجہ الاستحسان ان ہذہ الشرکۃ تقتضیہ للضمان الا تری ان ما تقبل کل واحد منہما من العمل مضمون علی الآخر ولہذا یستحق الاجر بسبب نفاذ تقبلہ علیہ فجری مجری المفاوضۃ فی ضمان

Marfat.com

العمل واقتضاء البدل۔ اور دونون مین سے جو کوئی جس عمل کو قبول کریگا وہ اُسپر اور اُسکے شریک پر لازم ہوگا حتی کہ دونون مین سے ہر ایک سے کام کا مطالبہ ہوگا اور دونون مین سے ہر ایک اجرت کا مطالبہ کرسکتا ہی اور اجرت دینے والے نے جسکو اجرت دیدی بری ہوگیا اور یہ بات درصورتیکہ شرکت بطور مفاوضہ ہو ظاہر ہی اور دوسری صورتون مین یہ حکم استحسان ہی اور قیاس اسکے برخلاف ہی کیونکہ شرکت مین کچھ کفالت کا ذکر نہین ہوا بلکہ مطلق ہی اور بطور اقتضاء کے صرف شرکت مفاوضہ مین کفالت ثابت ہوتی ہی تو ان صورتون مین ثابت نہوگی اور استحسان کی وجہ یہ ہی کہ یہ شرکت متضمن ضمان ہی کیا نہین دیکھتے ہو کہ دونون مین سے جسنے جو عمل قبول کیا ہی دوسرا اُسکا ضامن ہی اسواسطے وہ اجرت کا بھی مستحق ہوجاتا ہی کیونکہ دوسرے کا قبول کرنا اسپر نافذ ہوتا ہی تو کام کی ضمانت اور اجرت کے مطالبہ مین یہ شرکت بمنزلہ مفاوضت کے جاری ہوئی۔ قال واما شرکۃ الوجوہ فالرجلان یشترکان ولا مال لہما علی ان یشتریا بوجوہہما ویبیعا فتصح الشرکۃ علی ذلک سمیت بہ لانہ لا یشتری بالنسیئۃ الا من کان لہ وجاہۃ عند الناس وانما تصح مفاوضۃ لانہ یکون تحقیق الکفالۃ والوکالۃ فی الابدال واذا طالبت تکون عنانا لان المطلقۃ تنصرف الیہ وہی جائزۃ عندنا خلافا للشافعی رح والوجہ من الجانبین ما قدمناہ فی شرکۃ التقبل۔ اقسام شرکت سے قسم چہارم شرکۃ الوجوہ ہی اور اسکی یہ صورت ہی کہ دو شخص باہم عقد شرکت باندھین حالانکہ اُنکا کچھ مال نہین ہی اس شرط پر کہ دونون اپنی وجاہت وامانت کی وجہ سے خرید وفروخت کرین پس اس طریقہ پر شرکت صحیح ہی اور شرکۃ الوجوہ اسکا نام اسوجہ سے رکھا گیا کہ لوگون سے اُدھار ہی خرید سکتا ہی جسکی لوگون مین وجاہت ہو اور یہ شرکت بطور مفاوضہ اسی وجہ سے صحیح ہی کہ ضمن وبیع مین وکالت وکفالت کا ثبوت ممکن ہی اور اگر اس شرکت کو بدون قید کفالت کے چھوڑا تو شرکت عنان ہوجائیگی کیونکہ ایسی شرکت مطلقہ کو شرکت عنان ہی پر رکھتے ہین اور یہ شرکت ہمارے نزدیک جائز ہی اور شافعی کے نزدیک نہین جائز ہی اور ہمنے دونون طرف کی دلیل شرکۃ التقبل مین بیان کردی ہی۔ قال وکل واحد منہما وکیل الآخر فیما یشتریہ لان التصرف علی الغیر لا یجوز الا بوکالۃ او بولایۃ ولا ولایۃ فتعین الوکالۃ فان شرطا ان المشتری بینہما نصفان والربح کذلک یجوز ولا یجوز ان یفاضلا فیہ۔ اور دونون مین سے جو شخص کوئی چیز خریدے اُسمین دوسرے کی طرف سے وکیل ہی کیونکہ غیر پر تصرف جائز ہونے کی کوئی صورت نہین سوائے اسکے کہ وکالت ہو یا ولایت ہو اور چونکہ یہان ولایت نہین ہی تو وکالت متعین ہوئی پھر اگر دونون نے شرط کی ہو کہ خریدی ہوئی چیز دونون مین نصفا نصف ہو اور نفع بھی نصفا نصف ہو تو یہ جائز ہی اور کمی بیشی کی شرط کرنا نہین جائز ہی۔ فان شرطا ان یکون المشتری بینہما اثلاثا فالربح کذلک وہذا لان الربح لا یستحق الا بالمال والعمل او بالضمان فرب المال یستحقہ بالمال والمضارب یستحقہ بالعمل والاستحقاق الذی یلقی العمل علی التلمیذ بالنصف بالضمان ولا یستحق بما سواہما الا تری ان من قال لغیرہ تصرف فی مالک علی ان لی ربحہ لم یجز لعدم ہذہ المعانی واستحقاق الربح فی شرکۃ الوجوہ بالضمان علی ما بینا والضمان علی قدر الملک فی المشتری وکان الربح الزائد علیہ ربح ما لم یضمن فلا یصح اشتراطہ الا فی المضاربۃ وشرکۃ الوجوہ لیست فی معناہا بخلاف العنان لانہ فی معناہا من حیث ان کل واحد منہما یعمل فی مال صاحبہ فیلحق بہا واللہ اعلم۔ پس اگر دونون نے یہ شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز دونون کے درمیان تین تہائی ہو یعنے ایک کے واسطے دو تہائی اور ایک کے واسطے ایک تہائی ہو تو نفع بھی اسی طرح تین تہائی ہوگا اور اسکی وجہ یہ ہی کہ استحقاق نفع کی کوئی صورت نہین سوائے اسکے کہ بذریعہ مال ہو یا بذریعہ کام ہو یا بذریعہ ضمان ہو پس مالک مال بوجہ مال کے مستحق ہوتا ہی اور مضارب بوجہ اپنے کام کے مستحق ہوتا ہی اور پیشہ ور جو کام کو اپنے شاگرد کے حوالہ کرتا ہی اور ٹھہرائی ہوئی اجرت مین سے آدھی یا کوئی حصہ دیتا ہی

نہ بائی کا خود مستحق بوجہ ضمان کے ہوتا ہی اور ان صورتون کے سوائے کوئی صورت استحقاق نفع کی نہین ہی کیا نہین دیکھتے ہو کہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ تو اپنے مال مین تجارت کر اس شرط پر کہ اُسکا نفع میرے واسطے ہوگا تو نہین جایز ہی کیونکہ امور مذکورہ مین سے کوئی بات نہین پائی جاتی ہی اور شرکۃ الوجوہ مین نفع کا استحقاق بوجہ ضمانت کے ہوتا ہی جیساکہ ہم بیان کر چکے اور خریدی ہوئی چیز مین جسقدر ملک ہو اسی قدر مضمون ہوتی ہی تو اس مقدار سے زایدہ نفع لینا ایسی چیز کا نفع ہوا جو مضمون نہین ہی تو اسکی شرط لگانا صحیح نہوگا سوائے مضاربت کے حالانکہ شرکت وجوہ بمعنی مضاربت نہین ہی بخلاف شرکت عنان کے کہ وہ مضاربت کے معنی مین اس معنی کر ہی کہ مضارب و شریک عنان دونون اپنے ساتھی کے مال مین تصرف کرنے مین تو شرکت عنان بھی مضاربت کے ساتھ لاحق ہوگی ف یعنی جیسے مضاربت مین کم و بیش نفع مقرر کرنے کا اختیار ہی اسی طرح شرکت عنان مین بھی اختیار ہی واللہ تعالی اعلم

فصل - فی الشرکۃ الفاسدۃ ولا یجوز الشرکۃ فی الاحتطاب والاصطیاد وما اصطادہ کل واحد منہما او احتطبہ فہو لہ دون صاحبہ وعلی ہذا الاشتراک فی اخذ کل شئی مباح لان الشرکۃ متضمنۃ معنی الوکالۃ والتوکیل فی اخذ المال المباح باطل لان امر الموکل بہ غیر صحیح والوکیل بملکہ بدون امرہ فلا یصلح نائبا عنہ وانما تثبت الملک لہما بالاخذ والاحراز المباح فان اخذا معا فہو بینہما لضعفان لاستوائہما فی سبب الاستحقاق وان اخذہ احدہما ولم یعمل الآخر شیأ فہو للعامل وان عمل احدہما واعانہ الآخر فی عملہ بان قلعہ احدہما وجمعہ الآخر او قلعہ وجمعہ وحملہ الآخر فللمعین اجر المثل بالغا ما بلغ عند محمد وعند ابی یوسف لا یجاوز بہ نصف ثمن ذلک وقد عرف فی موضعہ - اس فصل مین چند شرکت فاسدہ کا بیان ہی - واضح ہو کہ ایندھن جمع کرنے مین (گھاس و گداگری مین) اور شکار کرنے مین شرکت کرنا جایز نہین ہی اور دونون مین سے جو شخص جس جانور کو شکار کرلایا یا جسقدر ایندھن جنگل سے لایا وہ اُسی کے واسطے ہی اُسمین اُسکے ساتھی کا کچھ حق نہین ہی اور اسی قیاس پر ہر مباح چیز کے لیلے مین شرکت کرنے کا یہی حکم ہی (جیسے پہاڑی میوے مثل اخروٹ و انجیر و پستہ و دیگر اشیا مثل نمک و برف و سرمہ وغیرہ - ف - کیونکہ شرکت مین وکالت کے معنی شامل ہین اور مال مباح لینے کے واسطے وکیل کرنا باطل ہی کیونکہ اس کام کے واسطے مؤکل کا حکم کرنا صحیح نہین ہی بلکہ وکیل کو بدون اُسکے حکم کے یہ اختیار حاصل ہی تو اُسکا نائب نہین ہوسکتا (اور جب وکالت صحیح نہوئی تو شرکت بھی نہوئی) اور دونون شریکون کی ملکیت جب ہی حاصل ہوگی کہ اس مباح کو لیکر اپنے جزو مین کرین پھر اگر لینے مین دونون ساتھ ہون تو یہ چیز ان دونون مین نصفا نصف ہوگی کیونکہ سبب استحقاق مین دونون برابر ہین اور اگر ایک نے لی اور دوسرے نے کچھ کام نہین کیا تو وہ لینے والی کی ہی اور اگر لینے کا کام ایک نے کیا اور دوسرے نے اُسکی مدد کی مثلاً ایک نے وہ چیز اُکھاڑی و توڑی اور دوسرے نے جمع کردی یا ایک نے اُکھاڑ و توڑ کر جمع کرلی اور دوسرا اُسکو لادلایا تو مددگار کو اُسکے کام کے مثل مزدوری ملیگی مگر امام محمد کے نزدیک جسقدر ہو پوری مزدوری ملیگی اور ابو یوسف کے نزدیک اس چیز کے دامون سے نصف سے زیادہ نہ ملیگی اور یہ اختلاف اپنے موقع پر مذکور ہی ف یعنی مبسوط و کتاب الشرکۃ مین مذکور ہی اور ظاہر امختار قول امام محمد ہی - ع - قال واذا اشترکا ولاحدہما بغل وللآخر راویۃ یستقی علیہا الماء فالکسب بینہما لم تصح الشرکۃ والکسب کلہ للذی استقی وعلیہ اجر مثل الراویۃ ان کان العامل صاحب البغل وان کان صاحب الراویۃ فعلیہ اجر مثل البغل امافساد الشرکۃ فلانعقادہا علی احراز المباح وہو الماء واما وجوب الاجر فلان المباح اذا صار ملکا للمحرز وہو المستقی فقد استوفی منافع ملک الغیر وہو البغل او الراویۃ لعقد فاسد فیلزمہ اجرہ - اگر دو شخصون

Marfat.com

میں سے ایک کے پاس خچر وغیرہ ہی اور دوسرے کے پاس پکھال ہی پس دونون نے اس طرح شرکت کی کہ مشک مین پانی بھرکر اس خچر پر لادلاوین اور جو کچھ حاصل ہو وہ دونون مین مشترک ہو تو شرکت صحیح نہین ہی اور پوری کمائی اسی شخص کی ہوگی جسنے پانی بھرا ہی اور اسپر پکھال کا اجر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ کام کرنے والا خچر والا ہو اور اگر پکھال والے نے کام کیا تو کمائی اسکی اور اسپر خچر کا اجر المثل واجب ہوگا پس شرکت فاسد ہونا اسواسطے ہی کہ دونون نے ایک مباح چیز یعنے پانی کے احراز کرنے مین شرکت کی ہی اور اجر المثل واجب ہونے کی یہ وجہ ہی کہ مباح پانی جب بھرلے والے کی ملک ہوگیا حالانکہ اسنے غیر کی ملکیت یعنی خچر یا پکھال سے بھی نفع اٹھایا ہی مگر بعقد فاسد تو اسپر پوری اجرت لازم آویگی۔ وکل شرکۃ فاسدۃ فالربح فیہا علی قدر المال ویبطل شرط التفاضل لان الربح فیہا تابع للمال فیتقدر بقدرہ کما ان الربح تابع للبذر فی المزارعۃ والزیادۃ انما یستحق بالتسمیۃ وقد فسدت فبقی الاستحقاق علی قدر رأس المال۔ اور جو شرکت کہ بطور فاسد ہی اسمین نفع بقدر مال ہوگا یعنی جس شریک کا جسقدر مال ہی اسی قدر نفع ملیگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہی کیونکہ ایسی شرکت مین نفع تابع مال ہی تو بحساب مال کے اسکا اندازہ رہیگا جیسے مزارعت مین پیداوار تابع تخم ہی اور نفع مین زیادتی کا استحقاق بوجہ قرارداد کے تھا حالانکہ عقد فاسد ٹھہرا تو صرف راس المال کی مقدار پر استحقاق رہ گیا۔ واذا مات احد الشریکین او ارتد ولحق بدار الحرب بطلت الشرکۃ لانہا تتضمن الوکالۃ ولا بد منہا لیتحقق الشرکۃ علی ما مر والوکالۃ تبطل بالموت وکذا بالالتحاق مرتدا اذا قضی القاضی بلحاقہ لانہ بمنزلۃ الموت علی ما بینا ہ من قبل ولا فرق بینما اذا علم الشریک بموت صاحبہ اولم یعلم لانہ عزل حکمی فاذا بطلت الوکالۃ بطلت الشرکۃ بخلاف ما اذا فسخ احد الشریکین الشرکۃ حیث یتوقف علی علم الآخر لانہ عزل قصدی واللہ اعلم۔

اگر دونون شریکون مین سے ایک مرگیا یا مرتد ہوکر دارالحرب مین مل گیا تو شرکت باطل ہوگئی خواہ شرکت مفاوضہ ہو یا عنان ہو کیونکہ شرکت متضمن وکالت ہی اور شرکت مین وکالت ضروری ہی تاکہ شرکت متحقق ہو چنانچہ سابق مین بیان ہوچکا اور وکالت بسبب موت کے باطل ہوجاتی ہی اور اسی طرح مرتد ہوکر دارالحرب مین ملنے سے بھی باطل ہوجاتی ہی جبکہ قاضی نے اسکے حربیون مین ملجانے کا حکم دیدیا ہو کیونکہ دارالحرب مین ملجانا بمنزلہ موت کے ہی چنانچہ سابق مین مذکور ہوچکا اور واضح ہو کہ شریک کی موت کا اسکے ساتھی کو علم ہو یا نہو بہرحال شرکت باطل ہوجائیگی کیونکہ یہ حکما معزولی ہی اور جب وکالت باطل ہوئی تو شرکت بھی باطل ہوئی بخلاف اسکے اگر دونون شریکون مین سے ایک نے شرکت توڑدی تو یہ دوسرے شریک کے آگاہ ہونے پر موقوف ہی کیونکہ یہ قصدی معزولی ہی۔ واللہ تعالے اعلم۔

فصل۔ ولیس لاحد الشریکین ان یؤدی زکاۃ مال الآخر الا باذنہ لانہ لیس من جنس التجارۃ فان اذن کل واحد منہما لصاحبہ ان یؤدی زکاۃ فادی کل واحد منہما فالثانی ضامن علم بادار الاول اولم یعلم وہذا عند ابی حنیفۃ رح وقالا لا یضمن اذا لم یعلم وہذا اذا ادیا علی التعاقب اما اذا ادیا معا ضمن کل واحد منہما نصیب صاحبہ وعلی ہذا الاختلاف المامور بادار الزکوۃ اذا تصدق علی الفقیر بعد ما ادی الامر نفسہ لہما انہ مامور بالتملیک من الفقیر وقد اتی بہ فلا یضمن للموکل وہذا لان فی وسعہ التملیک لا وقوعہ زکوۃ لتعلقہ بنیۃ الموکل وانما یطلب منہ ما فی وسعہ وصار کالمأمور بذبح دم الاحصار اذا ذبح بعد ما زال الاحصار وحج الآمر لم یضمن المأمور علم اولا وعلی ابی حنیفۃ رح انہ مامور بادار الزکوۃ والموکل لم یقع زکوۃ فصار مخالفا وہذا لان المقصود من الامر اخراج نفسہ عن عہدۃ الواجب لان الظاہر انہ

لا یلتزم الضرر الا لدفع الضرر وہذا المقصود حصل باوائہ وعزی اداء المامور عنہ فصار معزولا علم اولم یعلم لانہ عزل حکمی وانما دام الاحصار فقد قیل ہو علی ہذا الاختلاف وقیل بینہما فرق ووجہہ ان الدم لیس بواجب علیہ فانہ یمکنہ ان یصبر حتی یزول الاحصار وفی مسالتنا الاداء واجب فاعتبر الاسقاط مقصودا فیہ ودون دم الاحصار۔ واضح ہو کہ دونون شریکون مین سے کسی کو یہ اختیار نہین ہی کہ دوسرے کے مال کی زکوۃ دے لیکن اگر وہ اجازت دے تو جائز ہی کیونکہ یہ کام از قسم تجارت نہین ہی پھر اگر ہر ایک نے دوسرے کو یہ اجازت دیدی کہ میرے مال کی زکوۃ ادا کر دے پس دونون مین سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کی یعنے ایک مرتبہ صاحب مال نے اور ایک مرتبہ شریک نے ادا کی تو جسنے دوسری بار ادا کی ہی وہ ضامن ہی خواہ اول کے ادا کرنے سے آگاہ ہو یا نہو اور یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہی اور صاحبین نے کہا کہ اگر آگاہ نہ تھا تو ضامن نہوگا (اور اگر آگاہ تھا تو بھی صحیح یہ کہ صاحبین کے نزدیک ضامن نہوگا جیسا کہ حنابلہ کی شرح زیادات مین مذکور ہی۔ مف۔) اور یہ حکم اُسوقت ہی کہ دونون نے آگے پیچھے زکوۃ ادا کی ہو اور اگر دونون نے ساتھ ہی ادا کی تو امام کے نزدیک دونون مین سے ہر ایک اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا اور واضح ہو کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کے واسطے وکیل کیا اور موکل کے بذات خود ادا کرنے کے بعد وکیل نے اُسکی طرف سے زکوۃ ادا کی تو بھی ایسا ہی اختلاف ہی یعنے امام کے نزدیک ضامن ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ضامن نہوگا دلیل صاحبین کی یہ ہی کہ شریک کو یہ اختیار دیا گیا کہ فقیر کی ملکیت مین دیدے پس اُسنے ایسا ہی کیا تو وہ موکل کے واسطے ضامن نہوگا اسواسطے کہ اُسکے اختیار مین اسی قدر ہی کہ وہ فقیر کے ملک مین دیدے اور یہ اختیار نہین ہی کہ جو کچھ اوسنے زیادہ زکوۃ واقع ہو کیونکہ اس زکوۃ ہونے مین موکل کی نیت کا تعلق ہی اور وکیل سے اُسی قدر مطلوب ہی جو اُسکے اختیار مین ہی تو یہ مسئلہ ایسا ہو گیا جیسے کسی کو اپنی طرف سے احصار کی قربانی کرنے کے واسطے مامور کیا پھر اسکے بعد احصار زائل ہو گیا اور موکل نے حج کر لیا پھر وکیل نے قربانی کر دی تو وہ ضامن نہین ہوتا ہی خواہ موکل کے حال سے آگاہ ہو یا نہو (اور جیسے اپنا قرضہ ادا کرنے کو وکیل کیا پھر خود ادا کر دیا پھر وکیل نے ادا کیا تو وہ ضامن نہین ہوتا ہی خواہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ مف۔) اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہی کہ وہ ادائے زکوۃ کے واسطے مامور تھا اور جو اُسنے ادا کیا وہ زکوۃ نہین ہوئی تو جس کام کے واسطے مامور تھا اُسکے مخالف کام کیا (اور مخالف ضامن ہوتا ہی اور موکل کا مقصود خود ادا کرنے سے حاصل ہو گیا اور وکیل کا ادا کرنا اس مقصود سے خالی ہی تو وہ معزول ہو چکا خواہ آگاہ ہو یا نہو کیونکہ یہ حکمی معزولی ہی اور رہا قربانی احصار کا مسئلہ تو بعض نے کہا کہ اسمین خود ایسا ہی اختلاف ہی اور بعض نے کہا کہ قربانی احصار کے مسئلہ مین اور زکوۃ کے مسئلہ مین فرق یہ ہی کہ قربانی احصار اس شخص پر جو محصر ہوا ہی واجب نہ تھی کیونکہ وہ صبر کر سکتا تھا یہانتک کہ احصار زائل ہو جاوے اور اس مسئلہ زکوۃ مین ادا کرنا واجب ہی تو ساقط کر دینا اسمین مقصود ہوا اور قربانی احصار مین یہ مقصود نہین ہی۔ قال واذا اذن احد المتفاوضین لصاحبہ ان یشتری جاریۃ فیطأہا ففعل فہی لہ بغیر شئ عند ابی حنیفۃ رح وقالا یرجع علیہ بنصف الثمن لانہ ادی دینا علیہ خاصۃ من مال مشترک فیرجع علیہ صاحبہ بنصیبہ کما فی شراء الطعام والکسوۃ وہذا لان الملک واقع لہ خاصۃ والثمن بمقابلۃ الملک ولہ ان الجاریۃ دخلت فی الشرکۃ علی البتات جریا علی مقتضی الشرکۃ اذ ہما لا یملکان تغییرہ فاشبہ حال عدم الاذن غیر ان الاذن یتضمن ہبۃ نصیبہ منہ لان الوطی لا یحل الا بالملک ولا وجہ الی اثباتہ بالبیع لما بینا انہ یخالف مقتضی الشرکۃ فاثبتناہ بالہبۃ الثابتۃ فی ضمن الاذن بخلاف الطعام والکسوۃ لان ذلک مستثنی عنہا للضرورۃ فیقع الملک لہ خاصۃ بنفس العقد وکان مؤدیا دینا علیہ من مال الشرکۃ

Marfat.com

وفی سالتنا قضی دینا علیہما لما بینا۔ جامع صغیر مین فرمایا کہ اگر شرکت مفاوضہ کی ایک شریک نے دوسرے کو اجازت دی کہ ایک باندی خرید کر اُس سے وطی کرے اُسنے مال شرکت سے خرید کر ایسا کیا تو ابو حنیفہ کے نزدیک یہ باندی اُسکے واسطے مفت ہوگی اور صاحبین نے کہا کہ اجازت دینے والا اُس سے آدھا ثمن واپس لیگا کیونکہ اُسنے مال مشترک مین سے ایسا قرضہ ادا کیا جو خاصکر اُسی پر واجب تھا پس اُسکا ساتھی اپنا حصہ اُس سے لے لیگا جیسے اپنے عیال کے لیے کھانا اور کپڑا خریدنے مین ہی ہوتا ہی اور اسکی وجہ یہ ہی کہ لک تو خاصکر اُسی کی واقع ہوئی اور دام بمقابلہ لک کے ہین اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہی کہ یہ باندی فقط مال شرکت مین داخل ہوئی کیونکہ شرکت مفاوضہ اسی کو مقتضی ہی اسلیے کہ دونون شریکون کو یہ اختیار رہتا ہی کہ مقتضاء شرکت کو بدل دین تو یہ معاملہ اجازت نہونے کے حال سے مشابہ ہوا لیکن اجازت دینا متضمن ہی کہ اجازت دینے والے نے اپنا حصہ اپنے شریک کو ہبہ کیا کیونکہ وطی جب ہی حلال ہوتی ہی کہ لک حاصل ہو اور لک حاصل ہونے کی کوئی صورت بذریعہ بیع کے نہین ہی کیونکہ ہم بیان کر چکے وہ مقتضاء شرکت کے خلاف ہی لہذا ہمنے لک کو بذریعہ اُس ہبہ کے ثابت کیا جو اجازت کے ضمن مین پایا جاتا ہی بخلاف کھانے اور کپڑے کے کیونکہ یہ بوجہ ضرورت کے شرکت سے مستثنی ہوتا ہی پس خریدنے کے ساتھ ہی خاصتہً اُسی کی لک واقع ہوگی نہ مال شرکت سے اسکے دام دینے مین ثابت ہوا کہ اُسنے اپنا ذاتی قرضہ ادا کیا بخلاف باندی کی صورت کے کہ اُسمین وہ دام ادا کیے جو دونون پر اُدھار تھے کیونکہ اُسکی خرید شرکت پر واقع ہوئی تھی۔ وللبائع ان یاخذ بالثمن ایہما شاء بالاتفاق لانہ دین وجب بسبب التجارۃ والمفاوضۃ تضمنت الکفالۃ فصار کالطعام والکسوۃ۔ اور باندی فروخت کرنے والے کو اختیار ہی کہ اپنے دام دونون شریکون مین سے جس سے چاہے وصول کرے اسمین صاحبین کا اتفاق ہی کیونکہ یہ ایسا قرضہ ہی جو بسبب تجارت کے واجب ہوا اور شرکت مفاوضہ متضمن کفالت ہی تو باندی کے دام ایسے ہوگئے جیسے کھانا اور کپڑا خریدنے کے دام ہین۔

کتاب الوقف

یہ کتاب وقف کے بیان مین ہی۔ لغت مین وقف کے معنی روکنا اور شرع مین کسی مال عین کو مالک اپنی ملک پر روکے اور اُسکی منفعت تصدق کرے یا جن لوگون مین چاہے صرف کرے اور صاحبین کے نزدیک مال عین کو اسنے ملک الٰہی عزوجل کے غیر مملوک روک دینا اسکی شرط یہ ہی کہ روکنے والا عاقل بالغ آزاد ہو اور وقف معلق نہو چنانچہ کہا اگر میرا فرزند آیا تو میرا یہ گھر وقف ہی یہ جائز نہوگا اور مسلمان ہونا شرط نہین ہی حتی کہ اگر ذمی نے اپنی جائداد اپنی اولاد پر نسلاً بعد نسل وقف کی تو جائز ہی اور یہ بھی شرط ہی کہ وقف کرنے والا مجبور نہو حتی کہ اگر قاضی نے اُسکو بوجہ اُسکی حماقت وغیرہ کے مجبور کر دیا ہو تو اُسکا وقف نہین جائز ہی اور ابو حنیفہ کے نزدیک واقف کی ملک سے نکلنے کی شرط خاص یہ ہی کہ اُسنے یہ وقف اپنی موت کے بعد کہا ہو یا حاکم کا حکم اسکے ساتھ لاحق ہو جائے اور اسمین ابو یوسف کا خلاف ہی اور وقف کا رکن اُسکے خاص الفاظ مین مثلاً کہے کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ دائمی مساکین وغیرہ پر ہی۔ وقف اور واضح ہو کہ واقف۔ وقف کرنے والا۔ موقوف یا وقف۔ وہ چیز جو وقف کی گئی ہو اور اسکی جمع اوقاف آتی ہی۔ موقوف علیہم۔ وہ لوگ جنپر وقف واقع ہوا۔ جہت وقف۔ جس راہ پر وقف کیا گیا مثلاً مساکین و فقرا پر خرچ کرنے والے و اہل قرابت وغیر ذلک۔ قیم وہ شخص جو وقف پر متولی مقرر ہو۔ قال ابو حنیفۃ رح لا یزول ملک الواقف عن الوقف الا ان یحکم بہ الحاکم او یعلقہ فیقول اذا مت فقد وقفت داری علی کذا وقال ابو یوسف یزول

Marfat.com

ملکہ بمجرد القول وقال محمد لا یزول حتی یحکم للوقف ولیا ویسلمہ الیہ قال رح الوقف لغۃ ہو الحبس یقول وقفت الدابۃ واوقفتہا بمعنی وہو فی الشرع عند ابی حنیفۃ رح حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ بمنزلۃ العاریۃ ثم قیل المنفعۃ معدومۃ فالتصدق بالمعدوم لا یصح فلا یجوز الوقف اصلا عندہ وہو الملفوظ فی الاصل والاصح انہ جائز عندہ الا انہ غیر لازم بمنزلۃ العاریۃ وعندہما حبس العین علی حکم ملک اللہ تعالے فیزول ملک الواقف عنہ الی اللہ تعالی علی وجہ تعود منفعتہ الے العباد فیلزم ولا یباع ولا یوہب ولا یورث واللفظ ینتظمہما والترجیح بالدلیل لہما قول النبی لعمر رض حین اراد ان یتصدق بارض لہ تدعی ثمغ تصدق باصلہا لا یباع ولا یورث ولا یوہب ولان الحاجۃ ماسۃ الی ان یلزم الوقف منہ لیصل ثوابہ الیہ علی الدوام وقد امکن دفع حاجتہ باسقاط الملک وجعلہ للہ تعالے اذ لہ نظیر فی الشرع وہو المسجد فیجعل کذلک ولابی حنیفۃ رح قولہ علیہ السلام لا حبس عن فرائض اللہ تعالے وعن شریح قاضی محمد علیہ السلام بیع الحبس ولان الملک باق فیہ بدلیل انہ یجوز الانتفاع بہ زراعۃ وسکنی وغیر ذلک والملک فیہ للواقف الا تری ان لہ ولایۃ التصرف فیہ لعروض غلتہ الے مصارفہا ونصب القوام فیہا الا انہ یتصدق بمنافعہ فصار کشیبہ العاریۃ ولانہ یحتاج الی التصدق بالغلۃ دائما ولا تصدق عنہ الا بالبقاء علی ملکہ ولانہ لا یمکن ان یزال ملکہ لا الے مالک لانہ غیر مشروع مع بقائہ کالسائبۃ بخلاف الاعتاق لانہ اتلاف بخلاف المسجد لانہ جعل خالصا للہ تعالے ولہذا لا یجوز الانتفاع بہ وہہنا لم ینقطع حق العبد عنہ فلم یصر خالصا للہ تعالی قال رح قال فی الکتاب لا یزول ملک الواقف الا ان یحکم بہ الحاکم او یعلقہ بموتہ وہذا فی حکم الحاکم صحیح لانہ قضاء فی مجتہد فیہ اما فی تعلیقہ بالموت فالصحیح انہ لا یزول ملکہ الا انہ تصدق بمنافعہ ابدا فیصیر بمنزلۃ الوصیۃ بالمنافع مؤبدا فیلزم والمراد بالحاکم المولی فاما المحکم ففیہ اختلاف المشائخ ولو وقف فی مرض موتہ قال الطحاوی ہو بمنزلۃ الوصیۃ لعبد الموت والصحیح انہ لا یلزمہ عند ابی حنیفۃ رح وعندہما یلزمہ الا انہ یعتبر من الثلث والوقف فی الصحۃ من جمیع المال واذا کان الملک یزول عندہما یزول بالقول عند ابی یوسف وہو قول الشافعی بمنزلۃ الاعتاق لانہ اسقاط الملک وعند محمد رح لا بد من التسلیم الے المتولی لانہ حق اللہ تعالے وانما یثبت فیہ فی ضمن التسلیم الے العبد لان التملیک من اللہ تعالے وہو مالک الاشیاء لا یتحقق مقصودا قد یکون تبعا لغیرہ فیاخذ حکمہ فینزل منزلۃ الزکوۃ والصدقۃ۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ واقف کی ملکیت مال وقف سے زائل نہین ہوتی ہی مگر آنکہ کوئی حاکم اُسکے زائل ہونے کا حکم دیدے یا وقف کرنے والا اپنی موت کے ساتھ اُسکو معلق کرے پس کہے کہ جب مین مرون تو مین نے اپنا یہ دار الکوجہ پر وقف کیا اور ابو یوسف نے کہا کہ وقف کرتے ہی اُسکی ملک زائل ہو جائیگی یعنے جب ہی اُسنے کہا کہ مین نے وقف کیا اُسکی ملک سے نکل گیا اور امام محمد نے کہا کہ واقف کی ملکیت زائل نہین ہوتی یہانتک کہ وقف کے واسطے ایک متولی مقرر کرکے اُسکے سپرد کرے شیخ مصنف نے فرمایا کہ لغت مین وقف کے معنی حبس کے ہین یعنی روک لینا چنانچہ بولتے ہین کہ وقفت الدابۃ یعنے مین نے اپنا گھوڑا روک لیا اور اوقفتہا بھی اسی معنے مین بولتے ہین اور شرع مین حبس کے معنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک مال عین کو وقف کرنے والا اپنے ملک پر روکے اور اُسکی منفعت کو صدقہ کرے جیسے عاریت ہوتی ہی پھر کہا گیا کہ منفعت تو ایک معدوم چیز ہی اور معدوم چیز کا تصدق صحیح نہین ہی

Marfat.com

حرام کے نزدیک بالکل وقف جائز نہوا اور یہی الفاظ اصل مین مذکور ہین یعنے ابوحنیفہ اسکو جائز نہین رکھتے تھے اور اصح یہ ہی کہ ابو حنیفہ کے نزدیک وقف جائز ہی لیکن بمنزلہ عاریت کے لازم نہین ہی اور صاحبین کے نزدیک وقف کے یہ معنی ہین کہ مال عین کو اللہ تعالے کی ملک پر روکنا پس وقف کرنے والے کی ملکیت اُس چیز سے اللہ تعالی کی طرف ایسے طور پر عود کریگی کہ اُسکی منفعت بندون کی طرف عائد ہو پس وقف لازم ہوگا اور فروخت نہین ہو سکتا اور ہبہ نہین ہو سکتا اور میراث نہین ہو سکتا ہی پس لفظ وقف دونون قول کو شامل ہی یعنے وقف صحیح ہو جائیگا خواہ ملک زائل ہوا ہو اور قول امام یا صاحبین مین سے کسی کی ترجیح بدلیل ہی صاحبین کی دلیل یہ ہی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حصہ خیبر کو جسکا نام ثمغ تھا صدقہ کرنا چاہا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکی اصل کو صدقہ کردو کہ نہ بیع ہو سکیگی اور نہ میراث ہوگی اور نہ ہبہ ہوگی رواہ الائمۃ الستۃ۔ اور اس دلیل سے کہ واقف کا وقف لازم ہو جانے کی حاجت ہی تاکہ ہمیشہ اُسکو اپنے وقف کا ثواب پہونچتا رہے اور حاجت کا دفعیہ اسطرح ممکن ہی کہ اُسکی ملک ساقط کرکے اللہ تعالے کے واسطے کر دیا جاوے کہ شرع مین اُسکی نظیر موجود ہی اور وہ مسجد ہی پس یون ہی وقف بھی کر دیا جاوے اور ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے کے فرائض سے کوئی چیز حبس نہین ہی یعنے ہر چیز موافق میراث کے لغرائض الٰہی تقسیم ہو جائیگی۔ رواہ الدارقطنی و ابن ابی شیبہ والطبرانی باسناد ضعیف اور شریح رحمہ اللہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر حبس کو فروخت کیا۔ رواہ ابن ابی شیبہ و البیہقی والطحاوی باسناد صحیح۔ اور اس دلیل سے کہ وقف کرنے والے کی ملکیت وقف مین باقی رہتی ہی اس دلیل سے کہ واقف کو اُس سے نفع اُٹھانا بطریق زراعت و سکونت وغیرہ کے جائز ہی اور وقف کرنے والے کی ملکیت اُسمین قائم ہی کیا نہین دیکھتے ہو کہ اُسکو وقف مین ولایت تصرف حاصل ہی چنانچہ اُسکی حاصلات جہان صرف ہونا چاہیے وہان صرف کرے اور وقف کا قیم مقرر کرے مگر اتنی بات ہی کہ وہ اسکے منافع کو صدقہ کردیگا تو عاریت کے مشابہ ہو گیا اور اس دلیل سے کہ وقف کرنے والے کو ہمیشہ اُسکی حاصلات وقف کرنے کی حاجت ہی حالانکہ اُسکی طرف سے صدقہ جب ہی ہو سکتا ہی کہ وہ اُسکی ملکیت پر باقی رہے اور اس دلیل سے کہ یہ بات ممکن نہین ہی کہ وقف سے اُسکی ملکیت زائل کر دیجائے اس طور پر کہ وہ کسی دوسرے مالک کی ملک مین نہ آوے کیونکہ یہ بات شرع نہین ہی باوجودیکہ وہ چیز باقی ہی جیسے جانور سانڈ وغیرہ چھوڑنا ممنوع ہی بخلاف اعتاق کے کیونکہ وہ ملوکیت کی صفت کو دور کرنا ہوتا ہی اور بخلاف مسجد کے کیونکہ وہ خالصا لوجہ اللہ تعالی کر دی گئی اسی واسطے مسجد سے نفع اُٹھانا جائز نہین ہی اور وقف کی صورت مین بندہ کا حق وقف سے منقطع نہین ہوا تو وہ خالصا لوجہ اللہ تعالے نہین ہوا۔ پھر ترجیح مین علماء نے کلام کیا۔ ابن الہمام نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیدیا تھا اسواسطے وہ وقف لازم ہو گیا مترجم کہتا ہی کہ نہین بلکہ صرف ارشاد فرمایا ہی شیخ الاسلام نے شرح مبسوط مین کہا کہ امام ابوحنیفہ کی دلیل منقول مین کوئی حجت نہین ہی کیونکہ جب اُسنے وقف کر دیا تو فرائض الٰہی یعنے میراث کا اُس سے تعلق نہین رہا تو فرائض الٰہی سے کوئی حبس نہین ہوا جیسے مال منقولہ وصیت و ہبہ و صدقہ مین کوئی حبس نہین ہوتا ہی اور شیخ ابن الہمام نے بعد نقل کلام کے کہا کہ حق اس مقام پر یہی ہی کہ صاحبین و عامہ علماء کے قول کو ترجیح ہی یعنے وقف لازم ہو جاتا ہی کیونکہ احادیث اس باب مین بہت کثرت سے ہین اور صحابہ و تابعین و اُنکے مابعد امتیون کا عمل بھی اسی پر چلا آتا ہی اور حدیث شریح کے صرف یہی معنے ہین کہ کفار جو اپنے زمانہ مین حام و بحیرہ وغیرہ کو بتون کے نام پر روکتے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منسوخ کر دیا لہذا بعض مشائخ نے ذکر کیا کہ صاحبین کے قول پر فتوی ہی مترجم کہتا ہی کہ یہی مختار اوفق ہی واللہ تعالی اعلم

شیخ مصنف نے فرمایا کہ کتاب مین جو یہ مذکور ہوا کہ وقف سے املاک کی ملک زائل نہوگی مگر جبکہ کوئی حاکم حکم دیدے یا واقف اپنی موت پر معلق کرے - یہ کلام حکم حاکم کی صورت مین صحیح ہی کیونکہ اسکا حکم ایک مسئلہ اجتہادی مین واقع ہوگا رہا موت پر معلق کرنے کی صورت مین مشائخ نے اختلاف کیا اور صحیح یہ ہی کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسطرح معلق کرنے سے ملک زائل نہوگی لیکن اُسنے وقف کے منافع کو دائمی صدقہ کیا ہی تو ایسا ہوگیا کہ گویا منافع کی کسی کے واسطے دائمی وصیت کردی پس لازم ہوجائیگا اور واضح ہو کہ یہان حاکم سے مراد وہ حاکم ہی جو سلطان ہو یا سلطان کی طرف سے قاضی مقرر ہو اور اگر کوئی شخص حکم مقرر کرلیا گیا تو اسکے حکم دینے مین مشائخ کا اختلاف ہی یعنے اُسکی تحکیم سے بعض مشائخ کے نزدیک لازم نہوگا (اور راصح یہ ہی کہ منعقد ہوتا ہی - کما فی الخلاصہ ع -) اور اگر اُسنے اپنے مرض الموت مین وقف کیا تو طحاوی نے فرمایا کہ یہ بمنزلہ وصیت بعد الموت ہی اور صحیح یہ ہی کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ لازم نہوگا اور صاحبین کے نزدیک لازم ہوگا مگر وہ صرف تہائی مال سے معتبر ہوگا اور جو وقف صحت کی حالت مین ہو وہ پورے مال سے معتبر ہوتا ہی - پھر جب صاحبین کے نزدیک ملک زائل ہوجاتی ہی تو ابو یوسف کے نزدیک صرف قول سے زائل ہوگی اور یہی شافعی کا قول ہی (بلکہ اکثر علماء کا قول ہی اور یہی محققین کے نزدیک اوجہ ہی اور مفتیٰ بہ مین ہی کہ اسی پر فتویٰ ہی - منہ ع) کیونکہ یہ بمنزلہ اعتاق کے ہی اسواسطے کہ یہ بھی ملک ساقط کرنے کا نام ہی اور امام محمد کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا ضرور ہی کیونکہ یہ حق اللہ تعالے ہی اور وہ بندہ کو سپرد کرنے کے ضمن مین ثابت ہوا کرتا ہی کیونکہ اللہ تعالے جو تمام اشیاء کا مالک ہی اُسکو مالک کرنا بالقصد نہین ہوسکتا ہی بلکہ کبھی بالتبع ہوتا ہی تو اُسی کا حکم پاتا ہی یعنے جب بندہ کو دیا تو گویا اسکے ضمن مین اللہ تعالے کی ملک مین دینا ثابت ہوا پس بمنزلہ زکوۃ وصدقہ کے ہی ف اور اسی قول کو مشائخ بخارا نے اختیار کیا ہی - قال واذا صح الوقف علی اختلاف فیہم وفی بعض النسخ واذا استحق مکان قولہ واذا صح خرج من ملک الواقف ولم یدخل فی ملک الموقوف علیہ لانہ لو دخل فی ملک الموقوف علیہ لا یتوقف علیہ بل ینفذ بیعہ کسائر املاکہ فلا نہ لو ملکہ لما انتقل عنہ بشرط الملاک الاول کسائر املاکہ قال رض وقولہ خرج عن ملک الواقف یجب ان یکون قولہا علی الوجہ الذی سبق ذکرہ - جب ان علماء کے اختلاف کے موافق وقف صحیح ہوگیا تو وقف کرنے والے کی ملک سے نکل گیا مگر جنپر وقف ہی اُنکی ملک مین داخل نہین ہوا کیونکہ اگر موقوف علیہ کی ملک مین داخل ہوجاتا تو اُسپر وقف نہ رہتا بلکہ وہ اگر فروخت کرتا تو اُسکی بیع نافذ ہوجاتی جیسے اُسکے دیگر املاک مین اُسکی بیع نافذ ہوجاتی ہی اور اس دلیل سے کہ اگر موقوف علیہ اُسکا مالک ہوجاتا تو مالک اول کی شرط کے موافق دوسرون کی جانب اسکا انتقال نہوسکتا جیسے اُسکی دیگر املاک کا حال ہی اور یہ جو شیخ قدوری نے کہا کہ وقف کرنے والے کی ملک سے نکل گیا تو موافق اختلاف مذکورہ بالا کے یہ صاحبین کے قول پر ہونا چاہیئے ف کیونکہ امام رحمہ اللہ کے قول پر وقف بھی ہی کہ اصل جائداد مالک کی ملک پر رہے اور اُسکی منفعت دوسرون کو پہنچے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور واضح ہو کہ مشاع وہ قابل تقسیم چیز ہی جو دو شخصون مشترک ہو یعنے بٹوارے سے اُسکے حدود قائم نہوسکین مثلاً ایک زمین دو شخصون مین مشترک ہی تو بٹوارے کے پہلے نہین معلوم کہ کس جانب سے کہانتک کسکے حصہ مین آویگی پس یہ ابھی مشاع ہی - قال ووقف المشاع جائز عند ابی یوسف لان القسمۃ من تمام القبض والقبض عندہ لیس بشرط فکذا تتمتہ وقال محمد رح لا یجوز لان اصل القبض عندہ شرط فکذا ما تم بہ وہذا فیما یحتمل القسمۃ فاما فیما لا یحتمل القسمۃ فیجوز مع الشیوع عند محمد رح ایضا لانہ یتصور بالہبۃ والصدقۃ المنفذۃ الا فی المسجد والمقبرۃ فانہ لا یتم مع الشیوع فیما لا یحتمل القسمۃ ابدا عند ابی یوسف لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص للہ تعالے ولان المہایاۃ فیہا فی غایۃ القبح بان یقبر فیہ الموتی سنۃ ویزرع

سنة ويعمل فيه في وقت ويتخذ اصطبلا في وقت بخلاف الوقف لامكان الاستعمال وقسمة الغلة ونوابها الكل ثم استحق جزء منه بطل في الباقي عند محمد رح لان الشيوع مقارن كما في الهبة بخلاف ما اذا رجع الواهب في البعض او رجع الوارث في الثلثين بعد موت المريض وقد وهب او وقف في مرضه وفي المال ضيق لان الشيوع في ذلك طارئ ولو استحق جزء مميز بعينه لم يبطل في الباقي لعدم الشيوع ولهذا جاز في الابتداء وعلى هذا الهبة والصدقة المملوكة - اور وقف مشاع یعنے جو جائداد وقف کرنا منظور ہی حالانکہ وہ دوسری جائداد مین مشترک ہونے سے مشاع ہی اُسکا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہی کیونکہ بٹوارہ و اُسپر قبضہ ہونے کا تمہی اور ابو یوسف کے نزدیک قبضہ ہی شرط نہین ہی تو قبضہ کا تمہ بھی شرط نہوگا بلکہ قبضہ سے پہلے جائز ہو جائیگا اور امام محمد نے کہا کہ وقف مشاع نہین جائز ہی کیونکہ اصل قبضہ اُنکے نزدیک شرط ہی تو جس چیز سے قبضہ پورا ہو وہ بھی شرط ہی اور یہ اختلاف ایسی جائداد مین ہی جو قابل قسمت[1] ہی اور جو چیز بٹوارے کے قابل نہو تو اُسکا وقف امام محمد کے نزدیک بھی باوجود مشاع ہونے کے جائز ہی کیونکہ امام محمد اس وقف کو ایسے ہبہ وصدقہ پر قیاس کرتے ہین جو سپرد کر دیا گیا ہو یعنی جیسے ہبہ وصدقہ جائز ہو جاتا ہی اسی طرح جو چیز قابل قسمت نہین اُسکا وقف بھی جائز ہی پھر ابو یوسف نے مسجد ومقبرہ کا استثنا کیا ہی یعنے اگر کسی زمین مشترک کو جو قابل تقسیم نہین ہی مسجد یا مقبرہ کے واسطے وقف کیا تو ابو یوسف کے نزدیک بھی نہین جائز ہی کیونکہ یہ وقف باوجود مشاع ہونے کے ابو یوسف کے نزدیک بھی ایسی زمین نہین جائز ہی جو قابل قسمت نہو اسلیے کہ شرکت باقی رہنا خالصتاً للہ تعالے ہونے سے مانع ہی اور اسلیے کہ مسجد ومقبرہ باری باری سے نفع اُٹھانے کا معاہدہ کرنا نہایت قبیح ہی باین طور کہ مثلاً ایک سال اسمین مردے دفن کیے جاوین اور دوسرے سال اسمین زراعت کیجاوے یا ایک وقت اسمین نماز پڑھی جاوے اور دوسرے وقت یہ اصطبل بنایا جاوے جبکہ قابل بٹوارے کے نہین ہی بخلاف مسجد ومقبرہ کے دوسرے طور پر وقف جائز ہی کیونکہ یہ ممکن ہی کہ کرایہ یا اجارہ یا زراعت وغیرہ سے اُسکی حاصلات لیکر تقسیم کر لی جاوے یعنے جو وقف کا حصہ ہو وہ وقف کر دیا جاوے۔ اگر ایک شخص نے ایک قطعہ زمین کل وقف کیا پھر ثابت ہوا کہ اسکی تہائی یا چوتہائی یا کسی جزء کا کوئی شخص مستحق ہی تو امام محمد کے نزدیک باقی کا وقف بھی باطل ہو گیا کیونکہ ثابت ہوا کہ وقف کے وقت شیوع تھا جیسے ہبہ مین ہوتا ہی یعنے ہبہ مشاع ہو جسمین ہبہ کے وقت شیوع ہی تو ہبہ باطل ہوتا ہی بخلاف اسکے جب ہبہ کے وقت شیوع نہو بلکہ پیچھے سے طاری ہو جائے تو ہبہ باطل نہین ہوتا جیسے کل ہبہ کی پھر ہبہ کرنے والے نے کسی جزء مین رجوع کر لیا یا مریض نے حالت مرض مین ہبہ یا وقف کیا اور وارث نے بعد موت مریض کے دو تہائی پھیر لیا اور اُسکے ترکہ مین تنگی ہی یعنے سوائے اسکے کچھ ترکہ نہین تو ہبہ یا وقف باطل نہوگا کیونکہ یہ شیوع پیچھے سے عارض ہو گیا ہی اور اگر وہ جزء جسکا استحقاق ثابت ہوا ہی کوئی جزء معین ہو جو باقی سے ممیز ہی تو باقی کا وقف باطل نہوگا کیونکہ درحقیقت شیوع نہین ہی اسی واسطے ابتدا مین باقی کا وقف جائز تھا اور یہی حالت ہبہ وصدقہ مملوکہ کی ہی ف یعنی اگر اسمین کوئی جزء شایع کسی کا حق ثابت ہوا تو ہبہ وصدقہ باطل ہوا اور اگر کوئی جزء معین مستحق نکلا تو باطل نہوگا۔ خلاصہ یہ ہی کہ اگر کوئی چیز وقف یا ہبہ کی پھر اسمین سے کسی جزء پر کسی شخص کا استحقاق ثابت ہوا تو دیکھا جاوے کہ اگر یہ جزء معین ممیز ہی تو یہ جزء مستحق کا ہوگا اور باقی کا وقف یا ہبہ قائم رہیگا اور اگر یہ جزء غیر معین شایع ہو تو وقف وہبہ باطل ہو جائیگا اور اگر وقف یا ہبہ کے وقت کچھ شرکت نہو مگر اسکے بعد کسی طریقہ سے شرکت عارض ہوئی تو باقی کا وقف وہبہ قائم رہیگا۔ قال ويتم الوقف عند ابي حنيفة ومحمد رح حتى يجعل آخره لجهة لا تنقطع ابدا وقال ابو يوسف رح اذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها

للفقراء وان لم يسمهم لهما ان موجب الوقف زوال الملك بدون التمليك وانه يتابد كالعتق فاذا كانت الجهة يتوهم انقطاعها لا يتوفر عليه مقتضاه فلهذا كان التوقيت مبطلا له كالتوقيت في البيع ولابي يوسف رح ان المقصود هو التقرب الى الله تعالى وهو موفر عليه لان التقرب تارة يكون في الصرف الى جهة تنقطع ومرة بالصرف الى جهة تتابد فيصح في الوجهين وقيل ان التابيد شرط بالاجماع الا ان عند ابي يوسف رح لا يشترط ذكر التابيد لان لفظة الوقف والصدقة منبئة عنه لما بينا انه ازالة الملك بدون التمليك كالعتق ولهذا قال في الكتاب في بيان قوله وصار بعد بالفقراء وان لم يسمهم وهذا هو الصحيح وعند محمد رح ذكر التابيد شرط لان هذا صدقة بالمنفعة او بالغلة وذلك قد يكون موقتا وقد يكون مؤبدا فمطلقه لا ينصرف الى التابيد فلا بد من التنصيص - قدوري نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک وقف نہین پورا ہوتا ہی یہانتک کہ اُسکے آخر مین صرف کی ایسی راہ تبلا دیجاوے جو کبھی منقطع نہوگی یعنے مثلاً فقراء و مساکین اور ابو یوسف نے کہا کہ جب وقف کرنے والے نے ایسی راہ پر صرف بیان کیا جو منقطع ہو جائیگی مثلاً اپنی اولاد تو بھی وقف جائز ہی اور اس جہت کے منقطع ہو جانے کے بعد یہ وقف فقیرون کے واسطے ہو جائیگا اگرچہ فقراء کا نام نہ لیا ہو - امام ابوحنیفہ و محمد کی دلیل یہ ہی کہ وقف اس امر کو واجب کرتا ہی کہ وقف کرنے والے کی ملکیت زائل ہو جاوے بدون اسکے کہ کسی دوسرے کی ملک مین دے اور یہ ہمیشہ رہنے والی چیز ہی جیسے عتق یعنے اُسکی آزادی دائمی ہی پس جب اُسنے مصرف کی جہت ایسی مقرر کی جسکے منقطع ہو جانے کا وہم ہی تو مقتضاء وقف اسپر پورا صادق نہوگا اور اسی واسطے اگر وقف کو کسی وقت تک کے واسطے کیا ہو مثلاً دس پندرہ برس تک تو یہ وقت مقرر کرنا اُسکو باطل کرتا ہی جیسے بیع کرنا مثلاً دس روز کے واسطے باطل ہی اور ابو یوسف کی دلیل یہ ہی کہ وقف کا مقصود صرف یہ ہی کہ اللہ تعالے کی جناب مین تقرب حاصل ہو اور یہ بات پورے طور سے وقف کے واسطے صادق ہی کیونکہ تقرب کبھی ایسی راہ مین صرف کرنے سے ہوتا ہی جو منقطع ہو جائیگی اور کبھی ایسی راہ مین صرف کرنے سے ہوتا ہی جو ہمیشہ رہیگی تو وقف دونون صورتون مین صحیح ہی اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہمیشہ کے واسطے ہونا بالاتفاق شرط ہی لیکن اختلاف یہ ہی کہ ابو یوسف کے نزدیک ہمیشہ کے لیے بیان مین ذکر کرنا شرط نہین ہی کیونکہ لفظ وقف و صدقہ خود اُس سے آگاہ کرتا ہی اسواسطے کہ ہمنے بیان کیا کہ وقف کے معنی یہ ہین کہ اپنی ملک زائل کرنا بدون کسی کے ملک مین دینے کے جیسے عتق مین ہوتا ہی اسی واسطے کتاب مین ابو یوسف کا قول بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس راہ کے بعد وہ فقیرون کے واسطے ہو جائیگا اگرچہ فقراء کا نام نہ لیا ہو اور یہی قول صحیح ہی اور امام محمد کے نزدیک ہمیشہ کے لیے ہونا وقف مین بیان کرنا شرط ہی کیونکہ وقف تو اُسکی منفعت یا حاصلات وقف کرنے کا نام ہی اور یہ کبھی محدود وقت کے واسطے ہوتا ہی اور کبھی ہمیشہ کے واسطے ہوتا ہی تو کلام کو مطلق رکھنا بدون بیان کے صرف ہمیشگی کی طرف راجع نہین ہوگا بلکہ ہمیشگی کی خاصکر تصریح ضرور ہی - قال ویجوز وقف العقار لان جماعة من الصحابة رضوان الله عليهم وقفوه - اور عقار کا وقف جائز ہی یعنے جائداد غیر منقولہ زمین و مکان کا وقف جائز ہی کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم مین سے ایک جماعت نے اسکو وقف کیا ہی ف ان مین سے ارقم بن ابی الارقم ہین چنانچہ انکے بیٹے عثمان نے روایت کی کہ میرا باپ چھ آدمیون کے بعد ساتوان مسلمان ہوا اور انکا ایک گھر صفا پر تھا یہ وہ گھر ہی کہ جسمین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسلام مین رہتے اور لوگون کو اسلام کی دعوت فرماتے تھے چنانچہ اسمین ایک جماعت کثیر اسلام لائی جنمین عمر ابن الخطاب بھی ہین اسی سے اُسکا نام دار الاسلام رکھا گیا پس اسکو ارقم نے اپنی اولاد پر وقف کیا - الحدیث رواہ الحاکم - اور انمین سے حضرت عثمان

ہین چنانچہ پینتیس ۳۵ ہزار کو بیرومہ خریدکر وقف کرنا معروف ہی۔ کما فی الصحیح والطبرانی سا اور حضرت زبیر کا وقف صحیح بخاری مین مذکور ہی اور حضرت ابوبکر نے اپنا دار کرا اور حضرت عمر نے اپنی زمین مرودہ اور حضرت علی نے اپنی زمین ینبع اور حضرت عمرو بن العاص نے اپنے اموال مدینہ کو اپنی اپنی اولادون پر وقف کیا جو آجتک موجود ہین اسی طرح سعد ابن ابی وقاص اور عمرو ابن العاص نے جو وقف کیے آجتک موجود ہین اور بخاری نے عمرو ابن الحارث سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت کوئی دینار یا کوئی درہم یا کوئی غلام یا کوئی باندی یا کوئی چیز نہین چھوڑی سوائے اپنے بغلہ بیضاء کے جسپر سوار ہوتے اور اپنے ہتھیار اور ایک زمین کے جسکو فی سبیل اللہ صدقہ کیا تھا۔ م ض ع۔ ولا یجوز وقف ما ینقل ویحول قال رض وہذا علی الارسال قول ابی حنیفۃ رح وقال ابو یوسف اذا وقف ضیعۃ ببقرہا واکرتہا وہم عبیدہ جاز وکذا سائر آلات الحراثۃ لانہ تبع للارض فی تحصیل ما ہو المقصود وقد ثبت من الحکم تبعا ما لا یثبت مقصودا کالشرب فی البیع والبناء فی الوقف و محمد رح معہ فیہ لانہ لما جاز افرادہ بعقد المنقول بالوقف عندہ فلا یجوز الوقف فیہ تبعا اولے۔ اور قابل نقل وتحویل ہو یعنے مال منقولہ ہو اُسکا وقف نہین جائز ہی۔ اور مصنف نے کہا کہ یہ قول مطلقاً ناجائز ہونیکا قول ابی حنیفہ ہی اور ابو یوسف نے کہا کہ اگر کوئی کھیت مع اُسکے جوتنے والے بیلون و کاشتکارون کے جو وقف کرنے والے کے غلام ہین وقف کیا تو جائز ہی اور اسی طرح کاشتکاری کے دیگر آلات کا بھی وقف اسکے ساتھ جائز ہو جائیگا کیونکہ مقصود یعنے غلہ حاصل ہونے مین یہ چیزین زمین کے تابع ہین اور کبھی ایک چیز مستقل قصد کرکے ثابت ہوتی ہی اور تابع ہوکر ثابت ہو جاتی ہی جیسے زمین کے فروخت مین اُسکا پانی داخل ہو جاتا ہی یعنی جس پانی سے زمین سینچی جاوے وہ تنہا فروخت کے قابل نہین ہی مگر زمین کے ساتھ فروخت ہو جاتا ہی اور جیسے تنہا عمارت کا وقف نہین ہو سکتا مگر زمین کے ساتھ وقف ہو جاتی ہی اور امام محمد کا قول بھی اس مسئلہ مین ابو یوسف کے ساتھ ہی کیونکہ امام محمد کے نزدیک جب بعض منقولات کا وقف تنہا مستقل طور پر جائز ہی تو غیر منقول کے تابع ہوکر بدرجہ اولے وقف جائز ہوگا چنانچہ ذکر فرمایا۔ وقال محمد رح یجوز حبس الکراع والسلاح معناہ وقفہ فی سبیل اللہ وابو یوسف رح معہ فیہ علی ما قالوا وہو استحسان والقیاس ان لا یجوز لما بینا من قبل وجہ الاستحسان الآثار المشہورۃ فیہ منہا قولہ علیہ السلام واما خالد فقد حبس ادراعہ واعتادہ فرسالہ فی سبیل اللہ تعالے وطلحۃ حبس دروعہ فی سبیل اللہ تعالے ویروی واکراعہ والکراع الخیل ویدخل فی حکمہ الابل لان العرب یجاہدون علیہا وکذا السلاح یحمل علیہا وعن محمد رح انہ یجوز وقف ما فیہ تعامل من المنقولات کالفاس والمر والقدوم والمنشار والجنازۃ وثیابہا والقدور والمراجل والمصاحف وعند ابی یوسف لا یجوز لان القیاس انما یترک بالنص والنص ورد فی الکراع والسلاح فیقتصر علیہ ومحمد رح یقول القیاس قد یترک بالتعامل کما فی الاستصناع وقد وجد التعامل فی ہذہ الاشیاء وعن نصیر بن یحیی انہ وقف کتبہ الحق قالہا بالمصحف وہذا صحیح لان کل واحد یمسک للدین تعلیما وتعلما وقراءۃ واکثر فقہاء الامصار علی قول محمد رح وما لا تعامل فیہ لا یجوز عندنا وقفہ وقال الشافعی رح کل ما یمکن الانتفاع بہ مع بقاء اصلہ ویجوز بیعہ یجوز وقفہ لانہ یمکن الانتفاع بہ فاشبہ العقار والکراع والسلاح لنا ان الوقف فیہ لا یتابد ولا بد منہ علی ما بیناہ فصار کالدراہم والدنانیر بخلاف العقار ولا معارض من حیث السمع ولا من حیث التعامل فبقی علی اصل القیاس وہذا لان العقار یتأبد والجہاد بسنام الدین فکان معنی القربۃ فیہما

Marfat.com

اقوی فلا یکون غیر حامی معناہما۔ امام محمد نے کہا کہ گھوڑے اور ہتھیارون کا حبس جایز ہی یعنے انکو اللہ تعالی کی راہ مین وقف کرنا جایز ہی اور مشائخ کے قول کے موافق ابو یوسف بھی انکے ساتھ ہین اور یہ حکم باستحسان ہی اور قیاس چاہتا ہی کہ جایز نہو کیونکہ ہم سابق مین بیان کرچکے کہ وقف کے واسطے ہمیشگی شرط ہی حالانکہ مال منقول اس قابل نہین ہوتا ہی اور استحسان کی دلیل وہ حدیث و آثار ہین جو اس بارہ مین مشہور ہین از انجملہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ خالد کا یہ حال ہی کہ اسنے اپنی زرہین و گھوڑے اللہ تعالے کی راہ مین وقف کیے ہین (اور اصل حدیث یہ ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو صدقات پر مقرر کیا پس ابن جمیل و خالد ابن الولید اور عباس نے دینے سے انکار کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن جمیل کو کیا بات ناگوار ہوئی ہی سوائے اسکے کہ وہ فقیر تھا اللہ تعالی نے اُسکو تونگر کردیا اور رہا خالد تو تم اُس سے زکوۃ مانگنے مین ظلم کرتے ہو حالانکہ اُسنے اپنی زرہین و سامان جنگ اللہ تعالے کی راہ مین وقف کیا ہی اور رہے عباس تو اُنکی زکوۃ مجھپر ہی۔ رواہ البخاری و مسلم۔) اور طلحہ نے اپنی زرہین اللہ تعالے کی راہ مین وقف کین (لیکن اسکی روایت نہین ملتی ہی۔ ع۔) اور کراع سے مراد گھوڑے ہین اور اسی کے حکم مین اونٹ داخل ہین کیونکہ عرب اونٹون پر بھی جہاد کرتے ہین اور ہتھیار بھی اُنپر لادے جاتے ہین اور امام محمد سے روایت ہی کہ جن منقولات مین تعامل جاری ہی اُنکا وقف بھی جایز ہی جیسے کاہار اور گدالا و لبولا و آرا و تابوت مع اپنے کپڑون کے و نمایان و دیگین و پتھر کی دیگین و مصحف مجید۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ نہین جایز ہی یعنے خلاف قیاس ہی اور قیاس جب ہی ترک کیا جاتا ہی کہ نص وارد ہو اور نص صرف گھوڑے و ہتھیار مین وارد ہی تو وہین تک محدود رہیگی اور امام محمد کہتے ہین کہ قیاس کبھی بوجہ تعامل کے ترک ہوتا ہی یعنے لوگون کا عمل درآمد ہو جائے جیسے کاریگر سے چیز بنوانے مین ہی اور وقف کا تعامل بھی ان چیزون مین پایا گیا اور نصیر ابن یحیی سے روایت ہی کہ اپنی کتابین وقف کین بطریق الحاق بمصحف یعنی بمنزلہ مصحف کے اُنکو بھی داخل کیا اور یہ صحیح ہی کیونکہ مصحف و کتب شریعت مین سے ہر ایک علم دین پڑھنے پڑھانے و قرأت و تلاوت کے واسطے وقف ہوتی ہی اور شہرون کے اکثر فقہا امام محمد کے قول پر ہین اور جن چیزون مین لوگون کا تعامل نہو اُنکا وقف ہمارے نزدیک نہین جایز ہی اور شافعی نے فرمایا کہ ہر ایسی چیز جسکی اصل باقی رہنے کے باوجود اُس سے نفع اُٹھانا ممکن ہی اور اُسکی بیع جایز ہی تو اُسکا وقف کرنا بھی جایز ہی کیونکہ اُس سے انتفاع ممکن ہی تو عقار و گھوڑے و ہتھیار کے مشابہ ہوگئے اور ہماری دلیل یہ ہی کہ اُسکے وقف مین ہمیشگی نہین ہوسکتی حالانکہ یہ شرط ہی تو ایسی چیز مانند درم و دینار کے ہوگئی بخلاف عقار کے کہ وہ دائمی ہی اور یہان کوئی معارض نہین ہی نہ از راہ حدیث داخر کے اور نہ از راہ تعامل کے تو حکم اصلی قیاس پر باقی رہا اسواسطے کہ عقار تو ہمیشہ رہتا ہی اور جہاد اعلی رکن دین ہی تو ان دونون مین تقرب کے معنی بہت قوی ہوے پس دوسری چیزین انکے معنی مین نہونگی۔ قال واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ الا ان یکون مشاعا عند ابی یوسف رح فیطلب الشریک القسمۃ فیصح مقاسمتہ اما امتناع التملیک فلما بینا واما جواز القسمۃ فلانہا تمیز وافراز غایتہ الامر ان الغالب فی غیر المکیل و الموزون معنی المبادلۃ الا ان فی الوقف جعلنا الغالب کالمستحق الافراز نظرا للوقف فلم یکن بیعا وتملیکا ثم ان وقف نصیبہ من عقار مشترک فہو الذی یقاسم شریکہ لان الولایۃ الی الواقف وبعد الموت الی وصیہ وان وقف نصف عقار خالص لہ فالذی یقاسمہ القاضی او بیع نصیبہ الباقی من رجل ثم یقاسمہ المشتری ثم یشتری ذلک منہ لان الواحد لا یجوز ان یکون مقاسما ومقاسما ولو کان فی القسمۃ فضل دراہم ان اعطی الواقف لا یجوز لامتناع بیع الوقف وان اعطی الواقف جاز ویکون بقدر الدراہم

Marfat.com

شرارہ۔ اور جب وقف صحیح ہوگیا تو اُسکا بیچنا یا ایک مین لانا جائز نہین ہی لیکن اگر بقول ابو یوسف وقف مشاع ہو اور شریک نے اُسکا بٹوارہ چاہا تو اُسکے ساتھ بٹوارہ کر دیا جائیگا پس تملیک جائز ٹھہرنے کی دلیل وہی ہی جو ہم بیان کر چکے یعنی وقف عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ اسکی اصل کو وقف کرو کہ بیع نہین ہوگی اور نہ ہبہ ہوگی اور نہ صدقہ ہوگی۔ اور بٹوارے کا جواز اُس دلیل سے ہی کہ بٹوارہ متمیز و جدا کرنے کا نام ہی اور غایۃ الامر یہ ہی کہ کیلی و وزنی چیزون کے سوائے دوسری چیزون مین بٹوارے مین مبادلہ کے معنی غالب ہین لیکن وقف مین ہمنے بلحاظ وقف کے متمیز و جدا کرنے کے معنی غالب سمجھے تو وہ بیع یا تملیک نہوگی پھر اگر ایک شخص نے عقار مشترک مین سے اپنا حصہ وقف کیا تو خود ہی اپنے شریک سے بٹوارہ کرے کیونکہ ابو یوسف کے نزدیک اُسکا متولی خرید و فروخت کرنے والا ہوتا ہی اور اُسکی موت کے بعد اُسکا وصی ہی اور اگر اپنی خالص عقار مین سے نصف وقف کیا تو اُسکے ساتھ بٹوارہ کرنے والا قاضی ہی یا اسکا یہ حیلہ ہی کہ باقی حصہ کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دے پھر مشتری اسکے ساتھ بٹوارہ کرے پھر مشتری سے اُسکا خریدا ہوا حصہ اپنے آپ خرید لے اسوجہ سے کہ یہ نہین جائز ہی کہ ایک ہی شخص دونون طرف سے بٹوارہ کرنے والا ہوا اور اگر بٹوارے مین کسی حصہ مین کچھ درم لگانے کی ضرورت پڑے پس اگر وقف کرنے والے کو یہ درم دیے گئے یعنی زمین کا حصہ مع درم کے اسکو دیا گیا تو یہ جائز نہین ہی کیونکہ وقف کو بیچنا ممتنع ہی اور اگر وقف کرنے والے نے یہ درم دیے ہین تو جائز ہی اور یہ قرار دیا جائیگا کہ بقدر درم کے اُسنے وقف مین خرید کیا فصل اب رہا وقف کے حاصلات صرف کرنے کا بیان۔ قال والواجب ان یبتدی من ارتفاع الوقف لعمارتہ شرط ذلک الواقف اولم یشترطلان قصد الواقف صرف الغلۃ موبدا ولا یبقی دائمۃ الا بالعمارۃ فیثبت شرط العمارۃ اقتضاء ولان الخراج بالضمان وصار کنفقۃ العبد الموصی بخدمتہ فانہا علی الموصی لہ بہا ثم ان کان الوقف علی الفقراء لا یلفرہم واقرب اموالہم ہذہ الغلۃ فیجب فیہا ولو کان الوقف علی رجل بعینہ وآخرہ للفقراء فہو فی مالہ شاء فی حال حیاتہ ولا یوخذ من الغلۃ لانہ معین یمکن مطالبتہ وانما یستحق العمارۃ علیہ بقدر ما یبقی الموقوف علی الصفۃ التی وقفہ وان خرب مبنی علی ذلک الوصف لانہا بصفتہا صارت غلتہا مصروفۃ الی الموقوف علیہ فاما الزیادۃ علی ذلک فلیست بمستحقۃ علیہ والغلۃ مستحقۃ لہ فلا یجوز صرفہا الی شئی آخر الا برضاہ ولو کان الوقف علی الفقراء فکذلک عند البعض وعند الآخرین یجوز ذلک والاول اصح لان الصرف الی العمارۃ ضرورۃ ابقاء الوقف ولا ضرورۃ فی الزیادۃ۔ فرمایا کہ واجب یہ ہی کہ حاصلات وقف مین سے اُسکی تعمیر مین صرف کیا جاوے خواہ وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ وقف کرنے والے کا قصد یہ ہی کہ ہمیشہ اُسکی حاصلات اُسکے مستحقین کو پہونچائی جاوے اور ہمیشہ اُسکا باقی رہنا نہین ممکن ہی مگر جب ہی کہ اُسکی اصلاح و تعمیر کیجائے تو تعمیر کی شرط اس اقتضاء سے ثابت ہی یعنی وقف خود اس شرط کو مقتضی ہی اور اس دلیل سے کہ حدیث مین وارد ہوا کہ خراج بضمان ہی یعنے وقف کی درستی کا وہ ضامن ہوگا جو حاصلات پاوے۔ رواہ ابو عبید ع۔ اور وقف کی تعمیر ایسی ہوگئی جیسے اُس غلام کا نفقہ جسکی خدمت کی کسی شخص کے وصیت کی ہو پس غلام کا نفقہ اُس شخص پر ہوگا جسکے لیے خدمت کی وصیت ہی یعنے جب غلام کا نفع اُسے ملیگا تو وہی نفقہ کا بھی ضامن ہی پھر اگر یہ وقف فقیرون پر ہو حالانکہ اُنپر قابو نہین پہونچ سکتا ہی اور اُنکے اموال مین سے اس وقف کے حاصلات زیادہ قریب ہی یعنے اُسپر قابو ہو سکتا ہی تو اسی مین وقف کی تعمیر واجب ہوگی اور اگر وقف کسی شخص خاص پر ہو اور انجام کو یہ وقف فقراء کے واسطے ہو تو تعمیر مذکور اُس شخص کے مال سے ہی کہ وہ اپنی زندگی

Marfat.com

مین جس مال سے چاہے اسکی تعمیر و اصلاح کرے اور خاصکر وقف کی حاصلات سے تعمیر کا خرچہ نہین لیا جائیگا کیونکہ یہ ایک شخص معین ہی جس سے مطالبہ ممکن ہی پھر وقف کی تعمیر کا استحقاق صرف اسی قدر ہی کہ جس سے یہ وقف اسی صفت پر باقی رہے کہ جس حالت پر وقف کیا گیا تھا اور اگر خراب ہو گیا ہو تو اسی وصف پر بنا دیا جائے کہ جس حالت پر وقف کیا گیا تھا کیونکہ اسی صفت پر اسکا یہ حکم ہوا کہ اسکی حاصلات موقوف علیہ پر صرف کیجاوے پس موقوف علیہ پر اس سے زیادہ واجب نہین ہی اور چونکہ حاصلات کا وہی مستحق ہی تو بغیر اسکی رضامندی کے غیر واجب چیز مین کچھ صرف کرنا نہین جائز ہی اور اگر فقیرون پر وقف ہو تو بھی بعض کے نزدیک یہی حکم ہی یعنے جتنی تعمیر واجب ہی اس سے زیادہ تعمیر مین بغیر رضامندی فقراء کے صرف کرنا نہین جائز ہی اور دوسرے علماء کے نزدیک وقف فقراء مین تعمیر کی زیادتی جائز ہی مگر قول اول اصح ہی کیونکہ تعمیر مین صرف کرنا وقف باقی رکھنے کی ضرورت سے ہی حالانکہ زیادہ کرنے مین کوئی ضرورت نہین ہی۔ قال فان وقف دارا علی سکنی ولده فالعمارة علی من له السکنی لان الخراج بالضمان علی ما مر فصار کنفقة العبد الموصی بخدمته فان امتنع من ذلک او کان فقیرا آجرها الحاکم وعمرها باجرتها واذا عمرها ردها الی من له السکنی لان فی ذلک رعایة الحقین حق الواقف وحق صاحب السکنی لانه لو لم یعمرها تفوت السکنی اصلا والاول اولی ولا یجبر الممتنع علی العمارة لما فیه من اتلاف ماله فاشبه امتناع صاحب البذر فی المزارعة فلا یکون امتناعه رضا منه ببطلان حقه لانه فی حیز التردد ولا تصح اجارة من له السکنی لانه غیر مالک۔ اگر کسی نے اپنا گھر اپنی اولاد کی سکونت پر وقف کیا تو اسکی تعمیر اُس شخص پر جو اسمین رہی کیونکہ حاصلات نفع بمقابلہ ضمانت ہی چنانچہ اوپر مذکور ہوا تو ایسے غلام کے نفقہ کے مانند ہو گیا جسکی خدمت کی کسی شخص کے واسطے وصیت کی گئی یعنے غلام کا نفقہ اسی شخص پر ہو گا جسکی خدمت کرے پھر اگر وقف کی تعمیر سے موقوف علیہ نے انکار کیا یا وہ شخص فقیر ہی تو حاکم اس مکان کا کرایہ دیدے اور کرایہ سے اسکی تعمیر کرے پھر جب تعمیر پوری ہو جاوے تو جسکے واسطے حق سکونت ہی اسکو دیدے کیونکہ ایسا کرنے مین وقف کرنے والے کی وقف کی اور رہنے والے کی دونون کے حق کی رعایت ہی کیونکہ اگر اسکی تعمیر نہ کریگا تو بالکل سکونت ہی باطل ہو جائیگی پس حاکم کا تعمیر کرانا بصورت مذکورہ بہتر ہی اور موقوف علیہ نے جب تعمیر سے انکار کیا تو اُسپر جبر نہین کیا جائیگا کیونکہ اسمین اُسکے مال کا تلف کرنا لازم آتا ہی تو ایسا ہو گیا جیسے مزارعت مین بیجون والے نے زراعت سے انکار کیا پس موقوف علیہ کا انکار کرنا اپنا حق میٹنے پر رضامندی نہین ہی کیونکہ ابھی اس امر مین شک ہی (یعنے شاید بالفعل اپنا مال ضایع نہ کیا بلکہ امید لگائی کہ قاضی بنوا کر واپس دیگا) اور جس شخص کو حق سکونت حاصل ہی اگر اُسنے کرایہ پر دیدیا تو صحیح نہین ہی کیونکہ وہ مالک نہین ہی۔ قال وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاکم فی عمارة الوقف ان احتاج الیه وان استغنی عنه امسکه حتی یحتاج الی عمارته فیصرفه فیها لانه لا بد من العمارة لیبقی علی التابید فیحصل مقصود الواقف فان مست الحاجة الیه فی الحال صرفها فیها والا امسکها حتی لا یتعذر علیه ذلک او ان الحاجة فیبطل المقصود وان تعذرا عادة عینه الی موضعه بیع وصرف ثمنه الی المرمة صرفا للبدل الی مصرف المبدل۔ وقف کی عمارت مین سے اگر کچھ منہدم ہو گیا یا اسکے اسباب و آلات مین سے کوئی چیز ناقص ہو گئی تو حاکم اسکو وقف کی تعمیر مین صرف کرے بشرطیکہ کوئی ضرورت ہو اور اگر ضرورت نہو تو رکھ چھوڑے یہانتک کہ تعمیر کی ضرورت پڑے تو اسکو عمارت مین صرف کر دے کیونکہ اسکی تعمیر کی خواہ مخواہ ضرورت ہو گی تاکہ ہمیشہ کے واسطے باقی رہے تو وقف کرنے والے کی مراد حاصل ہو پھر اگر

Marfat.com

فی الحال تعمیر کی ضرورت ہو تو فی الحال اسمین صرف کردے ورنہ رکھ چھوڑے تاکہ ضرورت کے وقت مشکل نہ پڑے کہ جس سے مقصود باطل ہو اور اگر بعینہ اس چیز کو اپنی جگہ اعادہ کرنا ممکن نہو تو اسکو فروخت کرکے مرمت مین اسکے دام صرف کردے تاکہ بجاے مبدل کے بدل صرف ہوجاوے۔ ولا یجوز ان یقسمہ یعنی النقض بین مستحقی الوقف لانہ جزء من العین ولا حق للموقوف علیہم فیہ انما حقہم فی المنافع والعین حق اللہ تعالی فلا یصرف الیہم غیر حقہم۔ اور یہ جائز نہین ہی کہ ٹوٹن کو وقف کے مستحقین مین تقسیم کردے کیونکہ وہ عین وقف کا جزء ہی اور موقوف علیہم کا حق عین وقف مین نہین بلکہ اسکے منافع مین ہی اور عین تو حق اللہ تعالی ہی پس اُنکے حق کے سوائے دوسری چیز انکو نہین دیجائیگی۔ قال واذا جعل الواقف غلۃ الوقف لنفسہ او جعل الولایۃ الیہ جاز عند ابی یوسف قال رح ذکر فصلین شرط الغلۃ لنفسہ وجعل الولایۃ الیہ اما الاول فہو جائز عند ابی یوسف رح ولا یجوز علی قیاس قول محمد رح وہو قول ہلال الرازی رہ وبہ قال الشافعی رح وقیل ان الاختلاف بینہما بناء علی الاختلاف فی اشتراط القبض والافراز وقیل ہی مسألۃ مبتدأۃ والخلاف فیما اذا شرط البعض لنفسہ فی حیاتہ وبعد موتہ للفقراء وفیما اذا شرط الکل لنفسہ فی حیاتہ وبعد موتہ للفقراء سواء ولو وقف شرط البعض او الکل لامہات اولادہ ومدبریہ ما داموا احیاء فاذا ماتوا فہو للفقراء والمساکین فقد قیل یجوز بالاتفاق وقد قیل ہو علی الخلاف ایضا وہو الصحیح لان اشتراطہ لہم فی حیاتہ کاشتراطہ لنفسہ وجہ قول محمد رح ان الوقف تبرع علی وجہ التملیک بالطریق الذی قدمناہ فاشتراط البعض او الکل لنفسہ یبطلہ لان التملیک من نفسہ لا یتحقق فصار کالصدقۃ المنفذۃ وشرط البعض لبقعۃ المسجد لنفسہ ولابی یوسف رح ما روی ان النبی علیہ السلام کان یاکل من صدقتہ والمراد منہا صدقۃ الموقوفۃ ولا یحل الاکل منہا الا بالشرط فدل علی صحتہ ولان الوقف ازالۃ الملک الی اللہ تعالی علی وجہ القربۃ علی ما بیناہ فاذا شرط البعض او الکل لنفسہ فقد جعل ما صار مملوکا للہ تعالی لنفسہ لا ان یجعل ملک نفسہ لنفسہ وہذا جائز کما اذا بنی خانا او سقایۃ او جعل ارضہ مقبرۃ وشرط ان ینزلہ او یشرب منہ او یدفن فیہ دلان مقصودہ القربۃ وفی التصرف الی نفسہ ذلک قال علیہ السلام نفقۃ الرجل علی نفسہ صدقۃ ولو شرط الواقف ان یستبدل بہ ارضا اخری اذا شاء ذلک فہو جائز عند ابی یوسف وعند محمد رح الوقف جائز والشرط باطل ولو شرط الخیار لنفسہ فی الوقف ثلثۃ ایام جاز الوقف والشرط عند ابی یوسف وعند محمد رح الوقف باطل وہذا بناء علی ما ذکرنا واما فصل الولایۃ فقد نص فیہ علی قول ابی یوسف وہو قول ہلال ایضا وہو ظاہر المذہب وذکر ہلال فی وقفہ وقال اقوام ان شرط الواقف الولایۃ لنفسہ کانت لہ وان لم یشترط لم تکن لہ ولایۃ قال مشایخنا الا شبہ ان یکون ہذا قول محمد رح لان من اصلہ التسلیم الی القیم شرط لصحۃ الوقف فاذا سلم لم یبق لہ ولایۃ فیہ ولنا ان المتولی انما یستفید الولایۃ من جہۃ الشرط فیستحیل ان لا یکون لہ الولایۃ وغیرہ یستفید الولایۃ منہ ولانہ اقرب الناس الی ہذا الوقف فیکون اولی بولایتہ کمن اتخذ مسجدا یکون اولی بعمارتہ ونصب المؤذن فیہ وکمن اعتق عبدا کان الولاء لہ لانہ اقرب الناس الیہ ولان الواقف شرط ولایتہ لنفسہ وکان الواقف غیر مامون علی الوقف فللقاضی ان ینزعہا من یدہ نظرا للفقراء کما لہ ان یخرج الوصی نظر للصغار وکذا اذا شرط ان لیس لسلطان ولا لقاض ان یخرجہا من یدہ ویولیہا غیرہ لانہ شرط مخالف لحکم الشرع فبطل۔ قدوری نے فرمایا کہ اگر وقف کرنے والے نے حاصلات وقف

Marfat.com

کر اپنی ذات کے واسطے رکھا یا ولایت وقف اپنے واسطے رکھی تو امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہی۔ (اسی کو مشائخ بلخ نے لیا اور اسی پر صدر الشہید فتوی دیتے تھے ع۔) شیخ مصنف نے فرمایا کہ شیخ قدوری نے اسمین دو باتین ذکر کین اول یہ کہ اپنے واسطے حاصلات شرط کرنا اور دوم ولایت اپنے واسطے قرار دینا اور بیان امر اول یہ ہی کہ وہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہی اور قول محمد رح پر قیاس کرنے سے نکلتا ہی کہ نہین جائز ہی اور یہی قول ہلال الرازی (صحیح یہ کہ ہلال بن یحیی الرائی صف۔) کا ہی اور یہی قول شافعی ہی بعض مشائخ نے کہا کہ صاحبین مین یہ اختلاف اس بناء پر ہی کہ دونون نے قبضہ و تمیز شرط ہونے مین اختلاف کیا (یعنے امام محمد کے نزدیک وقف کو ممیز جدا کر کے متولی کے قبضہ مین دینا شرط ہی پس مسئلہ مذکورہ نہین جائز ہی اور ابو یوسف کے نزدیک شرط نہین ہی تو مسئلہ مذکورہ جائز ہی) اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ جدید مسئلہ ہی یعنے بر بناء اختلاف مذکور نہین ہی پھر یہ اختلاف دو صورتون مین یکسان جاری ہی خواہ بعض حاصلات اپنی زندگی پھر اپنے واسطے اور اپنی موت کے بعد فقراء کے واسطے شرط کرے اور خواہ اپنی زندگی بھر کل اپنے واسطے اور بعد موت کے فقراء کے واسطے شرط کرے دونون مین کچھ فرق نہین ہی اور اگر وقف مین یہ شرط کی کہ بعض حاصلات یا کل حاصلات اُسکی ام ولد یا مدبرون کے واسطے ہو جبتک یہ لوگ زندہ رہین پھر جب مر جائین تو فقراء و مساکین کے واسطے ہو جائے تو کہا گیا کہ یہ شرط بالاتفاق جائز ہی اور کہا گیا کہ اسمین بھی صاحبین کا اختلاف ہی اور یہی صحیح ہی کیونکہ ام ولد و مدبرون کے واسطے زمانہ حیات مین حاصلات شرط کرنا ایسا ہی جیسے اپنی ذات کے واسطے شرط کرنا (تو اختلاف مذکور جاری ہو گیا) امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہی کہ وقف ایک احسان بطور مالک کر دینے کے بطریق مذکورۂ بالا ہی یعنے بطریق تقرب بجناب الٰہی عزوجل تو اسمین بعض یا کل حاصلات کا اپنی ذات کے واسطے شرط کرنا اسکو باطل کر یگا کیونکہ خود اپنی ذات کو مالک کر دینا متحقق نہین ہوتا ہی تو ایسا ہو گیا جیسے صدقہ منفذہ یعنی فقیر کو کچھ مال بطور صدقہ دینا اس شرط پر کہ اسمین سے کچھ برسے واسطے ہی یا جیسے کوئی قطعہ مسجد بنانا اس شرط سے کہ کچھ حصہ اُسکی ذات کے واسطے ہی (حالانکہ یہ دونون باطل ہین تو وقف بطور مذکور بھی باطل ہی) اور ابو یوسف کی دلیل وہ حدیث ہی جسمین رواۃ ہی کہ آنحضرت ص اپنے صدقہ مین سے کھاتے تھے تو مراد صدقہ سے وقف ہی حالانکہ وقف مین سے کھانا حلال نہین مگر شرط کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ شرط کر لینا صحیح ہی (لیکن یہ حدیث نہین ملتی ہی بلکہ یہ روایت ہی کہ آنحضرت ص کے صدقہ یعنی وقف مین سے آپ کے اہل و عیال بطور معروف کھاتے تھے رواہ ابن ابی شیبہ) اور اس دلیل سے کہ وقف کے معنی تقرب کے طور پر اپنی ملکیت زائل کر کے اللہ تعالی کی ملک مین دینا جیسا کہ ہم بیان کر چکے پس جب اسنے بعض یا کل حاصلات کی اپنی ذات کے واسطے شرط کی تو جو چیز اللہ تعالی کی مملوک ہو گئی تھی وہ اپنی ذات کے واسطے شرط کی اور یہ نہین ہی کہ اپنی ملک کو اپنے واسطے کر لیا اور اللہ تعالے کی مملوک چیز کو اپنے واسطے شرط کرنا جائز ہی جیسے کوئی سرائے و سقایہ بنایا یا کوئی زمین مقبرہ بنا لی اور شرط کی کہ اس سرائے مین خود بھی اُتریگا یا اس سقایہ سے خود بھی پانی پیے گا یا اس مقبرہ مین اپنا مردہ بھی دفن کریگا تو یہ جائز ہوتا ہی اور اس دلیل سے کہ اسکا مقصود تقرب ہی اور اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بھی یہ بات حاصل ہی چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا اپنی ذات پر خرچ کرنا اُسکے واسطے صدقہ ہی (اور اپنی زوجہ و اولاد و خادم پر خرچ کرنا اُسکے واسطے صدقہ ہی رواہ ابن ماجہ والنسائی باسنادہ جید ابن حجر۔ اور ابو سعید خدری نے مرفوع روایت کی کہ جسنے کوئی مال بطور حلال کمایا پھر اپنی ذات کو کھانا یا کپڑا دیا یا دیگر مخارق الٰہی کو دیا تو یہ اُسکے واسطے زکوۃ ہی۔ کما فی صحیح ابن حبان والحاکم اور اس باب مین احادیث ہین۔ م ف ع۔) اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو کہ جب چاہے گا اس زمین کے عوض دوسری زمین بدل لیگا تو امام ابو یوسف کے نزدیک استحسانا جائز ہی اور امام محمد کے نزدیک وقف جائز اور یہ شرط باطل ہی

Marfat.com

اور اگر وقف مین اپنے واسطے تین دن خیار کی شرط کی یعنے اسکے وقف کرنے مین ابھی تین دن تک مجھے اختیار ہی تو ابو یوسف کے نزدیک وقف و شرط دونون جائز ہین اور امام محمد کے نزدیک وقف باطل ہی اور یہ اختلاف اُس بنا پر ہی جو ہم پہلے ذکر کر چکے (یعنے وقف کے حاصلات اپنے واسطے تاحیات رکھنا ابو یوسف کے نزدیک جائز ہی تو تین دن کا اختیار بھی شرط کرنا جائز ہی اور امام محمد کے نزدیک وہ نہین تو یہ بھی نہین ۔ع ۔) رہا بیان مسئلہ دوم یعنے اپنے واسطے ولایت شرط کرنا تو قدوری نے تصریح کردی کہ ابو یوسف کے نزدیک جائز ہی اور یہی ہلال الرائی کا بھی قول ہی اور یہی ظاہر المذہب ہی اور ہلال نے اپنی کتاب الوقف مین ذکر کیا کہ ایک جماعت علماء نے کہا کہ اگر وقف کرنے والے نے اپنی ذات کے واسطے متولی ہونے کی شرط کی تو اُسکو ولایت حاصل ہوگی اور اگر شرط نہین کی تو اُسکے واسطے ولایت نہین ہوگی ۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اُسپر یہ معلوم ہوتا ہی کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہی کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک اصل یہ قرار پائی ہی کہ قیم کو سپرد کرنا وقف صحیح ہونے کی شرط ہی پس جب اُسنے متولی کو سپرد کر دیا تو وقف مین اُسکی ولایت باقی نہ رہی اور ہماری دلیل یہ ہی کہ وقف کرنے والے ہی کی طرف سے ایک شرط کے ساتھ متولی کو ولایت حاصل ہوئی ہی تو یہ امر محال ہی کہ اُسکو خود ولایت نہو اور دوسرا اُسکی طرف سے ولایت حاصل کرے اور اس دلیل سے کہ وقف کرنے والے کو سب لوگون سے زیادہ اس وقف کے ساتھ قرب ہی تو وہی اُسکی ولایت کے واسطے اولی ہوگا جیسے کسی نے مسجد بنائی تو وہی اُسکے آباد و تعمیر کرنے مین اور اُسمین موذن مقرر کرنے مین اولی ہوتا ہی اور جیسے کسی نے غلام آزاد کیا تو اُسکی ولار اسی کے واسطے ہوگی کیونکہ سب سے زیادہ قرب اسی کو ہی اور اگر وقف کرنے والے نے اپنے وقف کی ولایت اپنی ذات کے واسطے شرط کی حالانکہ یہ شخص غیر مامون ہی یعنے آدمی متدین نہین ہی حتی کہ اُسکی طرف سے وقف پر اطمینان نہین ہی تو فقیرون کے لحاظ سے قاضی کو اختیار رہی کہ وقف کو اُسکے قبضہ سے نکال لے جیسے کسی نے اپنے بعد اپنی یتیم اولاد پر کسی شخص کو وصی کیا حالانکہ وہ متدین نہین ہی تو قاضی کو اختیار ہوتا ہی کہ یتیمون کا لحاظ کرکے اس وصی کو خارج کر دے اور اسی طرح اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ کسی سلطان یا قاضی کو یہ اختیار نہین ہی کہ اس وقف کو میرے قبضہ سے نکال کر اسپر دوسرے کو متولی کرے حالانکہ وقف کنندہ کے حال سے اس وقف پر اطمینان نہین ہی تو بھی قاضی کو اختیار ہی کہ اُسکے قبضہ سے نکال کر دوسرا متولی مقرر کرے کیونکہ وقف کنندہ کی یہ شرط حکم شرع سے مخالف ہی تو خود شرط باطل ہوگئی ۔

فصل ۔ واذا بنی مسجدا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ ویاذن للناس بالصلوۃ فیہ فاذا صلی فیہ واحد زال عند ابی حنیفۃ رح عن ملکہ اما الافراز فلانہ لا یخلص للہ تعالے الا بہ واما الصلوۃ فیہ فلانہ لا بد من التسلیم عند ابی حنیفۃ و محمد رح ویشترط تسلیم نوعہ وذلک فی المسجد بالصلوۃ فیہ اولانہ لما تعذر القبض لقیام تحقق المقصود مقامہ ثم یکتفی لصلوۃ الواحد فیہ فی روایۃ عن ابی حنیفۃ رح وکذا عن محمد رح لان فعل الجنس متعذر فیشترط ادناہ وعن محمد رح انہ یشترط الصلوۃ بالجماعۃ لان المسجد بنی لذلک فی الغالب ۔ اگر کسی نے مسجد بنائی تو مسجد سے اُسکی ملک زائل نہوگی یہانتک کہ اُسکو اپنی ملکیت سے مع اُسکے راستہ کے جدا کرے اور لوگون کو اُسمین نماز پڑھنے کی اجازت دے پھر جب اُسمین ایک شخص نے نماز پڑھ لی تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک اُسکے ملک سے زائل ہوگئی لیکن ملک سے جدا کرنے کی دلیل یہ ہی کہ فقط اسی طریقہ سے وہ خالص اللہ تعالے کے واسطے ہوگی اور اُسمین نماز پڑھنے کی دلیل یہ ہی کہ امام ابو حنیفہ و محمدؒ کے نزدیک سپرد کرنا ضرور ہی اور سپردگی مین شرط یہ ہی کہ اپنی قسم کی سپردگی ہو (یعنے جس قسم کی سپردگی جس شی کے لائق ہی وہ پائی جاوے)

اور مسجد کی صورت مین سپرد کرنا یہی ہی کہ اُسمین نماز پڑھی جاوے یا اسوجہ سے کہ جب قبضہ کرنا یہان متعذر ہی تو مقصود حاصل ہونے کو قبضہ کا قائم مقام کیا گیا اور مقصود نماز ہی پھر جب ایک شخص نے اُسمین نماز پڑھ لی تو امام ابو حنیفہ رح سے ایک روایت مین یہی کافی ہی اور ایسا ہی امام محمد رح سے مروی ہی کیونکہ جنس کا فعل متعذر ہی یعنے تمام نمازیون کا نماز پڑھ لینا محال ہی تو جنس کا ادنی درجہ یعنے ایک کا نماز پڑھنا کافی ہوگا اور امام محمد رح سے ایک روایت یہ ہی کہ اُسمین جماعت کے ساتھ نماز شرط ہی کیونکہ غالبًا مسجد اسی واسطے بنائی گئی ہی ف کیونکہ تنہا نماز دوسری جگہ بھی ہوسکتی ہی تو مسجد کا حقیقی مقصود نماز جماعت ہی لہذا دونون اماموں کے نزدیک اذان واقامت کے ساتھ ہونا شرط ہی اور اگر اُسمین مسجد کا کوئی موذن وامام مقرر کردیا پس اُسنے اذان دیگر اقامت کہی اور تنہا نماز پڑھ لی تو وہ بالاتفاق مسجد ہوگئی ۔ف۔ وقال ابو یوسف یزول ملکہ بقولہ جعلتہ مسجدا الان التسلیم عندہ لیس بشرط لانہ اسقاط لملک العبد فیصیر خالصا للہ تعالی بسقوط حق العبد صار کالاعتاق وقد بیناہ من قبل۔ اور ابو یوسف نے فرمایا کہ جب ہی اُسنے یہ بات کہی کہ مین نے اسکو مسجد کردیا تو اُسکی ملکیت زائل ہوگئی کیونکہ سپرد کرنا ابو یوسف رح کے نزدیک شرط نہین ہی کیونکہ بندے کی ملک ساقط کرنا اُنکے نزدیک وقف ہی تو بندے کا حق ساقط ہونے کے ساتھ وہ خالص اللہ تعالے کے واسطے ہوجائیگی اور یہ صورت مثل اعتاق کے ہوگئی اور ہم اسکو سابق مین بیان کرچکے ہین۔ قال ومن جعل مسجد اتحتہ سرداب او فوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ عن ملکہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالی لتعارق العبد متعلقا بہ ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی مسجد بیت المقدس وروی الحسن عنہ انہ قال اذا جعل السفل مسجدا وعلی ظہرہ مسکن فہو مسجد لان المسجد مما یتأبد وذلک یتحقق فی السفل دون العلو وعن محمد رح علی عکس ہذا لان المسجد معظم واذا کان فوقہ مسکن او مستغل یتعذر تعظیمہ وعن ابی یوسف رح انہ جوز فی الوجہین حین قدم بغداد ورأی ضیق المنازل فکانہ اعتبر الضرورۃ وعن محمد رح انہ حین دخل الری اجاز ذلک کلہ لما قلنا۔ جامع صغیر مین فرمایا کہ اگر ایسے مکان کو مسجد کردیا جسکے نیچے تہخانہ ہا اور بالاخانہ ہی اور مسجد کا دروازہ بڑے راستہ کی طرف نکالا اور اُسکو اپنی ملک سے جدا کردیا (تو ظاہر الروایۃ مین وہ مسجد نہوگی ع۔) پس اُسکو اختیار ہی کہ چاہے اسکو فروخت کرے اور اگر مرگیا تو وہ اُسکی میراث ہوجائیگی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالے کے واسطے نہین ہوئی کیونکہ اُسکے ساتھ بندے کا حق باقی رہا اور اگر یہ تہخانہ اسی مسجد کی مصلحت کے واسطے ہو تو وقف جائز ہی جیسے بیت المقدس کی مسجد مین ہی اور حسن نے ابو حنیفہ سے روایت کی کہ امام رح نے فرمایا کہ جب نیچے کا مکان مسجد کردیا اور اُسکی چھت پر کسی کا مسکن ہو تو وہ مسجد ہوجائیگی کیونکہ مسجد ایسی چیز ہی جو دائمی رہتی ہی اور یہ بات نیچے کے مکان مین پائی جائیگی بالاخانہ مین نہوگی اور امام محمد سے اسکے برعکس روایت ہی کیونکہ مسجد قابل تعظیم ہی اور جب اُسکے اوپر مسکن ہوا یا ایسا مکان جسکا کرایہ مسجد مین صرف ہو تو اُسکی تعظیم محال ہی اور ابو یوسف سے روایت ہی کہ اُنھون نے دونون صورتون مین اسکو جائز رکھا جبکہ بغداد مین تشریف لائے اور مکانون کی تنگی دیکھی پس شاید اُنھون نے ضرورت کا اعتبار کیا ہی چنانچہ امام محمد سے بھی روایت ہی کہ جب طہرستان مین آئے تو ضرورت کی وجہ سے ان سبکو جائز کہا۔ قال وکذلک ان اتخذ وسط دارہ مسجدا واذن للناس بالدخول فیہ یعنی لہ ان یبیعہ ویورث عنہ لان المسجد لا یکون لاحد فیہ حق المنع واذا کان ملکہ محیطا بجوانبہ کان لہ حق المنع فلم یصر مسجدا لانہ ابقی الطریق

Marfat.com

لنفسہ فلم یخلص للہ تعالے اور اسی طرح اگر ایک شخص نے اپنے گھر و احاطہ کے بیچ مین مسجد بنائی اور لوگون کو اسمین آمد و رفت کی اجازت دیدی تو بھی مسجد نہوگی یعنے اُسکو اختیار ہی کہ فروخت کرے اور مریگا تو اُس سے میراث ہوجائیگی کیونکہ مسجد وہ ہی جسمین کسی کو منع کرنے کا حق نہو اور جب اُسکی ملکیت مسجد کے چارون طرف محیط ہی تو اُسکو منع کرنے کا حق حاصل ہی تو وہ مسجد نہوئی کیونکہ اُسنے راستہ اپنے واسطے رکھ لیا تو وہ خالص اللہ تعالے کے واسطے نہوئی ف حتی کہ اگر اپنی ملک سے جداکرکے شارع عام تک اُسکا راستہ کردے تو وہ مسجد ہوجائے وعن محمد رح انہ لا یباع ولا یورث ولا یوہب اعتبرہ مسجدا وہکذا عن ابی یوسف رح انہ یصیر مسجدا لانہ لما رضی بکونہ مسجدا ولا یصیر مسجدا الا بالطریق دخل فیہ الطریق وصار مستحقا کما یدخل فی الاجارۃ من غیر ذکر۔ اور امام محمد سے روایت یہ ہی کہ وہ مسجد ہوجائیگی فروخت نہین ہوسکتی ہی اور نہ میراث ہوسکتی ہی اور نہ ہبہ ہوسکتی ہی اور ایسا ہی ابو یوسف سے مروی ہی کہ وہ مسجد ہوجائیگی کیونکہ جب وہ اُسکے مسجد ہونے پر راضی ہوا حالانکہ بدون راستہ کے مسجد نہوگی تو راستہ وقف مین داخل ہوگیا اور بقیہ راستہ کے اُسکی ملک مین سے مستحق ہوگیا جیسے اجارہ لینے کی صورت مین راستہ بغیر بیان کے داخل ہوجاتا ہی (پہلے زبردستی پایا جاتا ہی) قال ومن اتخذ ارضہ مسجدا لم یکن لہ ان یرجع فیہ ولا یبیعہ ولا یورث عنہ لانہ یحرز عن حق العباد وصار خالصا للہ وہذا لان الاشیاء کلہا للہ تعالے واذا اسقط العبد ما ثبت من الحق رجع الے اصلہ فانقطع تصرفہ عنہ کما فی الاعتاق ولو خرب ما حول المسجد واستغنی عنہ بقی مسجدا عند ابی یوسف لانہ اسقاط منہ فلا یعود الی ملکہ وعند محمد رح عاد الی ملک الباقی او الے وارثہ بعد موتہ لانہ علقہ لنوع قربۃ وقد انقطعت کحصیر المسجد وحشیشہ اذا استغنی عنہ الا ان ابا یوسف رح یقول فی الحصیر والحشیش انہ ینقل الے مسجد آخر۔ اور جس شخص نے اپنی زمین کو مسجد بنایا تو اُسکو اختیار نہین ہی کہ اس سے رجوع کرے اور وہ فروخت نہین ہوسکتی اور نہ اُسکی میراث ہوسکتی ہی (اس حکم سے فقہاے حنفیہ کا اتفاق ہی) کیونکہ وہ حق العباد سے جدا ہوکر خالص اللہ تعالے کے واسطے ہوگئی اور اسکی توضیح یہ ہی کہ تمام چیزین اللہ تعالی ہی کے واسطے ہین اور جب بندہ نے اپنا حق جو اُسکو اللہ تعالے کی طرف سے حاصل ہوا تھا ساقط کردیا تو وہ اپنی اصل کی طرف راجع ہوگئی یعنی ملک الٰہی کی طرف پھر گئی تو بندہ کا تصرف اُس سے ساقط ہوگیا جیسے اعتاق مین ہی۔ اور اگر مسجد کے گرد خراب ہوگیا اور مسجد کی حاجت نہ رہی تو بھی ابو یوسف کے نزدیک مسجد رہیگی کیونکہ اُسکی طرف سے اپنی ملک کا اسقاط ہی تو وہ اُسکی ملک کی طرف عود نکریگی اور امام محمد کے نزدیک بنانے والے کی ملک مین پھر آویگی یا اُسکی موت کے بعد اُسکے وارث کی ملک مین عود کریگی کیونکہ اُسنے ایک طرح کی قربت یعنی ادائے نماز کے واسطے معین کی تھی اور یہ قربت منقطع ہوگئی تو ایسا ہوگیا جیسے مسجد کا بوریا یا پیال جبکہ اُسکی حاجت نہ رہی تو یہی حکم ہوتا ہی لیکن ابو یوسف کہتے ہین کہ بوریا و پیال بھی دوسری مسجد مین منتقل کیا جائے ف لیکن مسجد کے حق مین امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہی یعنی کبھی وہ مالک کی ملک مین عود نکریگی اور بوریا وغیرہ کے حق مین بھی یہی فتوی ہی کہ دوسری مسجد مین منتقل کیا جائے لیکن قاضیخان نے اسکو امام محمد کا قول بیان کیا برعکس اسکے جو مصنف نے نقل کیا۔ ح۔ اور اہل مسجد کو جائز نہین ہی کہ ٹوٹی چٹائیان کسی محتاج کو دین یا فروخت کرکے دوسرا بوریا خریدین جبکہ وہ بیکار ہوگئین اور بچانے والا یا اُسکا وارث نہین ہی مگر قاضی کے حکم سے جائز ہی۔ محیط السرخسی۔ اور پیال اگر بیکار ہوگیا اور اُسکی کچھ قیمت نہین ہی تو مضائقہ نہین کہ نکال کر باہر ڈالدیا جائے اور جسکا جی چاہے اُٹھاکر اُس سے نفع حاصل کرے۔ الواقعات۔ اور اگر اُسکی کچھ قیمت ہو تو اہل مسجد کو

چاہیے کہ قاضی سے حکم لیکر فروخت کرین یہی مختار ہی۔ الجواہر۔ ہ۔ قال ومن بنی سقایۃ للمسلمین او خانا لیسکنا
بنو السبیل او رباطا او جعل ارضہ مقبرۃ لم یزل ملکہ عن ذلک حتی یحکم بہ الحاکم عند ابی حنیفۃ رح لانہ لم ینقطع
عن حق العبد الا ترے ان لہ ان ینتفع بہ فیسکن فی الخان وینزل فی الرباط ویشرب من السقایۃ
ویدفن فی المقبرۃ فیشترط حکم الحاکم او الاضافۃ الی ما بعد الموت کما فی الوقف علی الفقراء بخلاف المسجد
لانہ لم یبق لہ حق الانتفاع بہ فنخلص للہ تعالے من غیر حکم الحاکم۔ قدوری نے فرمایا کہ جس شخص نے مسلمانون
کے واسطے سقایہ بنایا یا سرائے جسمین مسافر رہتے ہین بنائی یا سرحد پر رباط بنایا یا اپنی زمین کو مقبرہ کر دیا تو امام ابو حنیفہ
کے نزدیک بنانے والے کی ملک اس سے زائل نہوگی یہانتک کہ کوئی حاکم اسکا حکم کرے اس دلیل سے کہ بندہ کا حق ابھی
منقطع نہین ہوا ہی کیا نہین دیکھتے ہو کہ مالک کو خود اختیار ہی کہ سرائے مین سکونت کرے اور رباط مین اترے اور سقایہ سے
پانی پیے اور مقبرہ مین دفن کرے پس شرط ہی کہ یا تو حاکم حکم دے یا اپنی موت کے بعد کیجانب نسبت کرے جیسے فقیرون
پر وقف کرنے کی صورت مین ہی بخلاف مسجد کے کہ اسمین حکم حاکم کی ضرورت نہین ہی کیونکہ مسجد سے نفع اٹھانے کا
حق اسکے واسطے نہین رہا پس وہ بدون حکم حاکم کے ملک سے نکل کر خالص اللہ تعالے کے واسطے ہوگئی۔ ف
واضح ہو کہ وقف مسجد کا حکم دیگر اوقاف کے مخالف ہی چنانچہ مسجد کے حق مین امام محمدؒ کے نزدیک متولی کے سپرد کرنا شرط
نہین ہی اور ابو یوسف کے قول پر مشترک شایع ہونا مانع نہین ہی اور وقف کرنے والے کی ملک سے خارج ہوجاتی ہی
اگرچہ کوئی حاکم اسکا حکم نہ کرے جیساکہ درر وغیرہ مین مصرح ہی۔ رد المحتار۔ پس سوائے مسجد کے دیگر اوقاف مین
امام ابو حنیفہ کے قول پر اپنی موت کے بعد وقف ٹھہرانا یا حکم حاکم شرط ہی تاکہ اسکی ملک منقطع ہو۔ وعند ابی یوسفؒ
یزول ملکہ بالقول کما ہو اصلہ اذا التسلیم عندہ لیس بشرط والوقف لازم وعند محمدؒ اذا استقی الناس
من السقایۃ وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرۃ زال الملک لان التسلیم عندہ شرط والشرط تسلیم
نوعہ وذلک بما ذکرناہ ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کلہ وعلی ہذا البیر الموقوفۃ والحوض ولو سلم الی
المتولی صح التسلیم فی ہذہ الوجوہ کلہا لانہ نائب عن الموقوف علیہ وفعل النائب کفعل المنوب عنہ واما
فی المسجد فقد قیل لا یکون تسلیما لانہ لا تدبیر للمتولی فیہ وقیل یکون تسلیما لانہ یحتاج الی من یکنسہ ویغلق
بابہ فاذا سلم الیہ صح التسلیم والمقبرۃ فی ہذا بمنزلۃ المسجد علی ما قیل لانہ لا متولی لہ عرفا وقیل ہی بمنزلۃ
السقایۃ والخان فیصح التسلیم الی المتولی لانہ کو نصب المتولی یصح وان کان بخلاف العادۃ ولو جعل
دارہ بمکۃ سکنی للحاج بیت اللہ والمعتمرین او جعل دارہ فی غیر مکۃ سکنی للمساکین او جعلہا فی ثغر من الثغور
سکنی للغزاۃ والمرابطین او جعل غلۃ ارضہ للغزاۃ فی سبیل اللہ تعالے ودفع ذلک الی من یقوم علیہ
فہو جائز ولا رجوع فیہ لما بینا الا ان فی الغلۃ یحل للفقراء دون الاغنیاء وفیما سواہ من سکنی الخان
والاستقاء من البیر والسقایۃ وغیر ذلک یستوی فیہ الغنی والفقیر والفارق ہو العرف فی الفصلین
فان اہل العرف یریدون بذلک فی الغلۃ الفقراء وفی غیرہا التسویۃ بینہم وبین الاغنیاء ولان الحاجۃ
تشمل الغنی والفقیر فی الشرب والنزول والغنی لا یحتاج الی صرف ہذہ الغلۃ لغناہ واللہ اعلم
بالصواب۔ اور ابو یوسف کے نزدیک سقایہ وسرائے وغیرہ مین صرف کہنے سے اسکی ملک زائل ہوجائیگی جیساکہ ابو یوسفؒ
کے نزدیک یہ اصل قرار پائی کیونکہ متولی کو سپرد کرنا انکے نزدیک شرط نہین اور وقف لازم ہوتا ہی اور امام محمدؒ کے نزدیک
جب لوگون نے سقایہ سے پانی پی لیا اور سرائے مین رہے اور مقبرہ مین مردے دفن کیے تو وقف کرنے والے کی

Marfat.com

مکمل ہوگئی کیونکہ امام محمد کے نزدیک سپرد کرنا شرط ہی اور ہر قسم مین اُسکے لایق سپردگی شرط ہی اور یہان بطور مذکورہ بالا حاصل ہوگی یعنے سقایہ سے پانی پینا اور سرائے و رباط مین اترنا اور مقبرہ مین دفن کرنا) پھر ایک شخص کا فعل کافی ہی کیونکہ کل جنس کا فعل متعذر ہی اور یہی اختلاف کنوئین و حوض کے وقف کرنے مین ہی اور اگر اُسنے متولی کو سپرد کردیا تو ان سب صورتون مین سپرد کرنا صحیح ہی کیونکہ متولی اُن لوگون کی طرف سے نائب ہی جنپر وقف ہی تو نائب کا فعل اُنکے فعل کا قائم مقام ہوگا (اور مبسوط مین مذکور ہی کہ ان مسائل مین صاحبین کے قول پر فتوی ہی اور اسی پر اجماع مت ہی۔ المضمرات ۔ ۱۲) رہا مسجد کی صورت مین بعض نے کہا کہ صرف متولی کے سپرد کرنا جبتک اُسمین نماز نہ پڑھی جاوے سپردگی نہوگی کیونکہ متولی کے واسطے اُسمین کوئی تدبیر نہین ہی اور بعض نے فرمایا کہ یہ سپردگی صحیح ہی کیونکہ مسجد کے واسطے ایسے شخص کی ضرورت ہی جو اُسمین جھاڑو دے اور اُسکا دروازہ بند کرے تو جب اُسنے متولی کو سپرد کی تو یہ سپردگی صحیح ہی اور مقبرہ کا حکم اس بارہ مین بمنزلہ مسجد کے ہی جیسا کہ بعض کا قول ہی کیونکہ عرف مین اُسکا کوئی متولی نہین ہوتا اور بعض نے کہا کہ مقبرہ بمنزلہ سقایہ و سرائے کے ہی تو متولی کو سپرد کرنا صحیح ہی کیونکہ اگر وہ متولی مقرر کرے تو تقرر صحیح ہوگا اگرچہ عادت کے خلاف ہی۔ اگر کسی نے اپنا ایک دار جو مکہ مین ہی خانہ کعبہ کے حج و عمرہ کرنے والون کی سکونت کے واسطے وقف کیا یا اپنا دار جو کسی جگہ سوائے مکہ کے واقع ہی مساکین کے رہنے کے لیے وقف کیا یا ملک اسلام کی سرحد پر جو گھر ہی وہ غازیون یا اہل رباط کے رہنے کے واسطے وقف کیا یا اپنی زمین کی حاصلات اللہ تعالی کی راہ مین جہاد کرنے والون کے واسطے وقف کی اور یہ گھر یا زمین کسی متولی قیم کو سپرد کردی تو یہ جائز ہی اور وہ رجوع نہین کرسکتا ہی بوجہ مذکورہ سابق (جب بندہ نے اپنا حق ساقط کیا تو وہ ہبہ کے واسطے اپنی اصل یعنے ملک الٰہی مین عود کرگئی) لیکن حاصلات کی صورت مین جو کچھ حاصل ہو وہ فقراء کو جائز ہی اور تونگرون کو حلال نہین ہی اور اسکے سوائے دوسرے منافع مثلاً سرائے کے سکونت و کنوئین و سقایہ سے پانی پینے وغیرہ کے تو اسمین غنی و فقیر برابر ہین اور دونون صورتون مین فرق کرنے والا عرف ہی کیونکہ غلہ کی صورت مین وقف سے اہل عرف کی مراد محتاج لوگ ہوتے ہین اور سوائے اسکے دوسرے منافع مین تونگرون و محتاجون کو یکسان رکھتے ہین اور اس دلیل سے کہ کنوئین یا سقایہ سے پانی پینے مین یا سرائے و رباط مین اترنے مین غنی و فقیر کی ضرورت شامل ہی اور اس زمین کی حاصلات صرف کرنے مین تونگر کو کوئی حاجت نہین ہی واللہ اعلم بالصواب (فروع۔) اگر مسجد مین کوئی درخت لگا یا تو وہ مسجد کے واسطے ہوجائیگا۔ اگر درخت وقف کیا کہ اسکے پتون یا پھلون یا اصل سے نفع اُٹھایا جاوے تو وقف جائز ہی پس اگر اُسکے پھلون یا پتون سے نفع ممکن ہو تو کاٹا نہ جائیگا ورنہ کاٹ کر صدقہ کردیا جائیگا۔ المضمرات۔ مسجد مین سیب کا درخت ہی تو صدر شہید نے کہا کہ اُس سے لوگون کو روزہ افطار کرنا مباح نہین ہی۔ الذخیرہ۔ ایک شخص نے لوگون سے مسجد کی عمارت بنانے کے واسطے مال جمع کیا پھر اسمین سے کچھ اپنی ضرورت مین صرف کیا پھر اُسکا عوض رکھدیا تو اُسکو یہ جائز نہین ہی اور وہ ضامن ہوجائیگا ولیکن وبال دور ہونے کے واسطے حاکم سے اجازت لے لے اور اگر متعذر ہو تو اُسکے مثل مال مسجد مین صرف کردے اور اگر اصلی مالک معلوم ہو تو اُس سے دوبارہ اجازت لینا نجات ہی۔ الذخیرہ۔ عالم نے اگر فقیرون کے واسطے کچھ سوال کیا اور لوگون نے جو کچھ دیا وہ مخلوط ہوگیا تو وہ اُس سب کا ضامن ہوجائیگا حتی کہ اگر اُن لوگون نے زکوۃ کی نیت کی ہو تو اُنکی زکوۃ ادا نہوگی پس فقیرون کو چاہیے کہ اُسکو وصول کرنے کی اجازت دین تاکہ وہ فقیرون کا مال باہم خلط کرنے والا ٹھہرے۔ المحیط۔ اگر کوئی شخص نیک

Marfat.com

کام کے واسطے کھڑا ہوا اور اُسنے فقیر کے واسطے بغیر حکم فقیر کے سوال کرکے کچھ جمع کیا تو یہ شخص امین ہی پس اگر بعض کا دیا ہوا دوسرے کے دیے ہوئے مین ملا دیا تو فقیر کو اپنے مال سے دینے والا ہوا اور لوگون کے مال کا ضامن ہوا اور لوگون کی زکوۃ ادا نہوگی پس چاہیے کہ پہلے فقیر اسکو وصول کرنے کا وکیل کردے تاکہ وہ فقیر کا مال باہم ملانے والا ہو جاے۔ المضمرات۔ ایک شخص نے چاہا کہ اپنا مال راہ خیر مین کردے تو بہتر یہ ہی کہ فقہ کے پڑھنے پڑھانے مین صرف کرے کیونکہ نوافل عبادات سے اسمین مشغول ہونا بہتر ہی اور یہی حکم حدیث و تفسیر کا ہی کیونکہ ان چیزون کا نفع زیادہ پائدار ہی۔ المضمرات۔ ایک شخص نے مسجد مین کنواں کھودا جسمین نفع ہی اور کسی کا ضرر نہین ہی تو جائز ہی۔ ھ۔

خاتمۃ الطبع

الحمد للہ سبحانہ و تعالے شانہ کہ کتاب مستطاب الہدایہ کا ترجمہ عین الہدایہ اسم بامسمی جسمین جناب مترجم نے بہمہ غایت اہتمام سے بمثل التزام مرعی فرمایا۔ ازانجملہ اولاً ترجمہ فصیح سلیس عام فہم کہ خود متحصلین طلبہ کے واسطے معلم عالی مقام ہی اسپر توضیح جید کلام نے عیان مثل آئینہ بنایا۔ ثانیاً دلائل نصی و قیاسی شیخ امام فرم فمقام صاحب الہدایہ رحمہ اللہ تعالی جنکا مرتبہ اعالی قیاس کو نصوص سے تطبیق دینے مین اظہر من الشمس ہی اور تطبیق مذکور سے دلالت تبحر ائمہ علماء کے نزدیک ابین من الامس ہی ولا عبرۃ بما تفوہ بہ الجہلۃ ولوادعوا لانفسہم المنزلۃ۔ حضرت مترجم عم فیضہ نے دلائل قیاسی کو اصولی ماخذ سے ایسی تسہیل کے ساتھ باشارہ لطیفہ ادا فرمایا کہ اصل مقام و اصول کلام دو دن مین منجلی ہو گئے اور علت جامعہ و وجہ قیاس کا انکشاف بیان سے مبادرت کرتا ہی ثالثاً اصل الاصول یعنے بیان نصوص مین جو طریقہ مختار فرمایا بیان خود مداح ہی کیونکہ بعض مترجمین نے تکثیر تخریج و جرح و توثیق رجال الاسناد مین ایسی تطویل کی کہ عوام اصل مقصود ہی سے متنفر ہو گئے لہذا حضرت موصوف کا طریقہ غایت مستحسن ہی کہ جب حدیث کی روایت صحیحین مین موجود ہی تو تصحیح اجمالی حاصل ہی پھر نقل توثیق تطویل لاطائل اور اسی طرح غیر صحیحین کی حدیث جب کسی معتمد امام نے صحیح الاسناد فرمائی تو یہ اثبات کے لیے کافی۔ اور اگر تصنیف و تصحیح مین بین الائمہ اختلاف ہو تو بعد عمل خلاف راوی کی توثیق کافی ہی۔ رابعاً بعد اثبات نصوص کے جیسے امام ابوحنیفہ رح کے اصول پر اجتہاد کو منطبق کیا مثلاً روایت مرسل امام و جمہور کے نزدیک مطلقاً مقبول ہی پس یہ حکم مستنبط ہوا اسی طرح دیگر ائمہ مانند امام شافعی رح کے اجتہاد کو عدم قبول مرسل پر منطبق کرکے انکا استنباط نکال دیا کیونکہ امام شافعی رح قبول مرسل مین تفصیل فرماتے ہین اور اسکے فوائد عظیمہ سے یہ کہ اہل السنۃ معلوم کرلین کہ ہمارے علمائے دین مین مخالفت نہین بلکہ اجتہادی اختلاف ہی اور ہمپر سب کی تکریم و ادب کی تعظیم لازم ہی ورنہ بے ادب شریک رد و نفس ہوگا۔ خامساً ہدایہ جو غالباً سائل اصول مذہب کو محیط ہی اسکے ساتھ مین مسائل مشائخ مجتہدین کی تمثیل کی اور اسمین بھی حسن صنعت کی رعایت فرمائی کہ مختلف اقوال مین سے صرف اس قول پر اکتفا کیا جسپر فتوی ہی تاکہ عوام بغیر تردد کے آگاہ ہون کہ یہی ماخذ و اسی پر فتوی ہی اور متتبع وجہد بلیغ سے فتوی مع حوالہ کتب ائمہ نقل کیا اور یہ صرف بیان نمونہ ہی اور اسکی تمام خوبیون و لطائف تحقیقات و غرائب تدقیقات و تذییل و تفریعات و بدیع نکت و اشارات کی تفصیل کے لیے رسالہ چاہیے اور خود کتاب باقدمین ہی غور نظر و سلامت فکر کے ساتھ دیکھیے کہ کیسی عجیب سعی مشکور فرمائی ہی کہ بلا مبالغہ اسکی نظیر موجود نہین ہی اللہم تقبلہ بفضلک یا ارحم الراحمین

Marfat.com

جلد دوم

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا فَقَّهَهُ فِي الدِّينِ

عین الہدایہ

مترجمہ

علامہ مولانا سید امیر علی مرحوم اعلی اللہ مقامہ

مترجم

فتاویٰ عالمگیری ۔ تفسیر مواہب الرحمٰن

قانونی کتب خانہ ○ کچہری روڈ ○ لاہور

Marfat.com